ملّا نصر الدین کے لطیفے
2

سید سعید احمد

لاہور ، راولپنڈی ، پشاور ، حیدرآباد ، کراچی

پہلی بار ـــــــ ۱۹۷۱
تعداد ـــــــ ۳۰۰۰
قیمت ـــــــ ۲/۵ [unclear]
مطبوعہ فیروز سنز لمیٹڈ لاہور۔ باہتمام عبدالحمید خاں پرنٹر و پبلشر

عمر کی بربادی

مُلّا نصرالدین کے پاس ایک چھوٹی سی کشتی تھی وہ کبھی کبھی اس پر دریا کی سیر کو نکلتے تھے۔ ایک دن وہ اپنی کشتی پر سوار تھے کہ اتفاق سے اُدھر کسی مولوی صاحب کا گزر ہوا۔ مولوی صاحب نصرالدین کے پاس پہنچے اور کہا۔ "ذرا مجھے دریا پار کرا دو۔"

مُلّا حسبِ عادت تیار ہو گئے اور مولوی صاحب کو جھٹ کشتی میں بٹھا آگے بڑھنے لگے۔ دریا کا پاٹ کافی بڑا تھا۔ مُلّا چھوٹی ندیوں میں کشتی چلانے کے عادی تھے بڑے دریا میں پانی کے تیز بہاؤ میں کشتی ہچکولے کھانے لگی۔ اب مولوی صاحب بڑے گھبرائے اور مُلّا سے بولے۔

"اماں! کہیں ڈبو نہ دینا۔ اگر ڈوبنے کا اندیشہ ہو تو واپس لے چلو مجھے نہیں جانا ہے۔"

مُلّا نے جواب دیا "ابھی تم میرے سے کچھ نہ

بولیے ———!"

مولوی صاحب نے جو مُلّا کی بگی زبان سنی تو کہا۔

"نصرالدین! کیا تم نے کبھی قواعد نہیں پڑھی؟"
مُلّا نے جواب دیا۔"نہیں بھائی! قواعد پڑھنے کا موقع ہی نہیں ملا ٹوٹی پھوٹی زبان میں دل کا حال کہہ لیتا ہوں"
مولوی صاحب پھر بولے۔"تب تو تم نے اپنی آدھی عمر برباد کر ڈالی"
مُلّا نے اس بات کا کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی سے اپنی کشتی کو آگے بڑھانے میں لگے رہے۔ چند ہی لمحوں بعد پانی کا تیز بہاؤ آیا جس سے کشتی بالکل بے قابو ہوگئی اس میں پانی بھرنے لگا اور مولوی صاحب کی حالت غیر ہونے لگی۔

مُلّا نے جھک کر پوچھا۔
"اب تو کشتی ڈوب رہی ہے۔ کہیے مولوی صاحب تیرنا بھی آتا ہے ———؟"
مولوی صاحب نے کہا"نہیں وہ تو میں نے سیکھا ہی نہیں؟
یہ جواب سنتے ہی مُلّا جی بولے۔
"مولوی صاحب! پھر تو آپ نے اپنی تمام عمر برباد کردی کیونکہ اب تو ہم دونوں غرق ہونے والے ہیں!"

پاگل داس

ایک مرتبہ مُلّا نصرالدین کی بحث کسی فلسفی سے ہوگئی اور کافی طول پکڑ گئی۔ مُلّا نے جب یہ دیکھا کہ بحث کسی صورت ختم ہونے ہی میں نہیں آتی اور انہیں گھر جانے کی جلدی ہے تو انھوں نے فلسفی کو اپنے گھر پر مدعو کیا تاکہ بحث جاری رہ سکے۔ دونوں نے وقت طے کرلیا فلسفی مقررہ وقت پر مُلّا کے مکان پر جا پہنچا اور دستک دی۔ مُلّا ٹھہرے ایک جھکّڑ انھیں یاد ہی نہ رہا کہ کسی کو وقت دے رکھا ہے۔ وہ فلسفی کے آنے سے کچھ دیر پہلے کہیں چلے گئے تھے۔ جب فلسفی نے مُلّا کو نہ پایا تو اس نے کوئلے کے ایک ٹکڑے سے مکان کے صدر دروازے پر لکھ دیا۔"پاگل داس!"

جب مُلّا باہر سے واپس آئے اور دروازے
پر یہ لکھا دیکھا تو فوراً فلسفی کا خیال آیا وہ اسی
وقت اس شخص کے مکان کی طرف چل پڑے۔ مکان
پر پہنچ کر اس سے کہا۔
"معاف کیجیے گا میں بالکل بھول گیا تھا کہ
آپ کو وقت دے رکھا ہے۔ مجھے تو اس
وقت یاد آیا جب آپ کا نام دروازے پر لکھا
دیکھا!"

صوفی نصرالدین

صوفیوں کے نزدیک سب سے بڑی بے وقوفی
یہ ہے کہ آدمی کسی چیز کا علم سیکھنے کی خواہش
کرے لیکن خود ذہنی طور پر تیار نہ ہو یعنی اس
کا دل و دماغ علم سے دور بھاگتا ہو۔ عام طور
لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ جس کے پاس دو
آنکھیں، ایک ناک اور ایک زبان ہے، وہ عالم
فاضل ہو سکتا ہے۔ حالانکہ حقیقتاً ایسا نہیں ہے،
صحیح علم حاصل کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ صوفی
اور بزرگ جب کسی کو علم سکھاتے ہیں تو

شاگرد سے کہتے ہیں کہ علم کی ظاہری صورت بھی
سیکھو اور اس کے پیچھے جو حقیقی علم چھپا ہوا
ہے۔ اس کو بھی جاننے کی کوشش کرو۔
انھی خیالات کی تعلیم مُلّا نصرالدین بھی دیا کرتے
تھے چنانچہ ایک دن ایک طالب علم مُلّا کے پاس
آیا اور کہا۔
"مجھے بتایئے کہ 'سچائی' کسے کہتے ہیں؟"
مُلّا نے جواب دیا "میں اس شرط پر بتاؤں
گا کہ تم وعدہ کرو، ہمارے بتائے ہوئے طریقے
کے مطابق خوب دل لگا کر سیکھو گے اور ذرا
چون و چرا نہیں کرو گے۔"
طالب علم نے وعدہ کر لیا۔
تب مُلّا نے طالب علم کو ساتھ لیا اور ایک
گھڑا لیکر کنوئیں کی طرف چل پڑے۔ گھڑے کے
پیندے میں سوراخ تھا۔ کنوئیں کے پاس پہنچ کر
مُلّا نے گھڑا نیچے رکھا اور بالٹی سے پانی بھرنا
شروع کر دیا۔ وہ بالٹی سے پانی بھرتے جاتے
تھے اور گھڑے میں ڈالتے جاتے تھے لیکن
پانی ہر بار بہہ جاتا۔ اور گھڑا بھرنے کا نام نہ لیتا۔

طالب علم یہ تماشا کھڑا دیکھ رہا تھا۔ جب کافی
دیر تک ملا نے توجہ نہ کی تو طالب علم سے نہ
رہا گیا، وہ بول پڑا۔
"ملا جی! پانی تو سب بہا جا رہا ہے۔ گھڑے کا
پیندا ٹوٹا ہوا ہے"
یہ الفاظ سنتے ہی ملا ایک دم غصے میں
آ گئے اور اس کو ڈانٹتے ہوئے بولے۔
"میں نے تم کو پہلے ہی منع کیا تھا کہ
ذرا بھی چوں چرا نہیں کرو گے، خاموشی سے علم
حاصل کرو گے لیکن تم پر نہیں مانے۔ اس کا
مطلب صاف ہے کہ تم ابھی دماغی طور پر
علم حاصل کرنے کے لیے تیار نہیں ہو"
پھر ملا نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا:
"دیکھو! میں گھڑا بھرنے کی کوشش کر رہا ہوں
جب گھڑا بھر جائے گا تو اس کے منہ تک
پانی آ جائے گا چنانچہ میری نظریں اس کے
منہ پر لگی ہیں، پیندے سے مجھ کو کیا غرض؟
یہی تو بات ہے کہ صوفی ہر کس و ناکس کو
تعلیم نہیں دیتے اور جس کو تعلیم دیتے ہیں اس
کو پہلے آداب سکھاتے ہیں۔ صوفیوں کا مقولہ ہے،
ہر جاہل مغرور ہوتا ہے اور ہر مغرور جاہل، جو شخص
یہ کہتا ہے کہ مجھے تعلیم حاصل کرنا آتا ہے اس
کے طریقے سیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں وہ دراصل
گھمنڈی اور جاہل ہے"
اس طرح ملا نے اپنے طالب علم کو ایک
طرف انکسار کی تعلیم دی، دوسری طرف صبر و سکون
کی۔ طالب علم بے چارہ سیدھا سادہ تھا اس نے
ملا کی تمام حماقتوں کو عقلمندی تصور کیا اور ہاتھ
جوڑ کر درخواست کی۔
"ملا۔ میں اب ذہنی طور پر تیار ہو چکا ہوں۔
مجھے تعلیم دیجیے ——!"

تیر کس نے چلایا

ایک مرتبہ ملا نصر الدین کے گاؤں میں زور
دار میلا لگا۔ خوب کھیلے تماشے اور سیر تفریح
کا انتظام کیا گیا۔ ملا کے شاگردوں کا بھی
دل چاہا کہ میلا دیکھنے جائیں چنانچہ ان میں سے
ایک شاگرد جو ملا کے بہت قریب تھا ملا کی

خدمت میں حاضر ہوا اور میلے میں جانے کی اجازت چاہی۔ مُلّا بخوشی راضی ہوگئے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ میں خود بھی تم لوگوں کے ہمراہ چلوں گا۔ کیوں کہ وہاں اچھی طرح تمھاری عملی تربیت کرسکوں گا۔

غرض مُلّا اپنے شاگردوں سمیت میلے کی طرف چل دیے۔ وہاں پہنچ کر انھیں سب سے پہلے ایک ایسی دکان ملی جہاں تیر کا نشانہ لگانے پر انعام ملتا تھا۔ دکان دار نے اپنی دکان پر ایک بیل کی تصویر لگا رکھی تھی اور کچھ فاصلے پر ایک تیر کمان رکھوا دیا تھا۔ شرط یہ تھی کہ جو شخص بیل کی آنکھ پر نشانہ لگائے گا اس کو قیمتی انعام دیا جائے گا۔

مُلّا جب اپنے شاگردوں کو لے کر دکان میں داخل ہوئے تو کچھ دوسرے لوگ بھی تماشا دیکھنے کی غرض سے وہاں اکٹھا ہوگئے۔ تھوڑی دیر میں یہ بات سارے میلے میں پھیل گئی کہ مُلّا نصرالدین بیل کی آنکھ پر نشانہ لگا رہے ہیں۔ چنانچہ ہر طرف سے لوگ کھنچ کھنچ کر آنے لگے۔

مُلّا نے نہایت شان کے ساتھ تیر کمان اٹھایا اور اپنے شاگردوں سے بولے۔

"غور سے دیکھو میں کس طرح تیر چلاتا ہوں ——"

یہ کہہ کر انھوں نے کافی دیر تک سیدھ ملائی پھر تیر چھوڑ دیا۔ تیر نشانہ سے بہت دور جاکر گرا۔ مجمع میں ایک زوردار قہقہہ بلند ہوا۔ مُلّا کے شاگرد بے چارے پریشان ہوگئے۔ مُلّا نے جو یہ صورت دیکھی تو مڑ کر کہا۔

"خاموش! خاموش! اس میں ہنسی کی بات نہیں۔ میں یہ بتا رہا تھا کہ ایک سپاہی غلط نشانہ بھی لگا سکتا ہے۔ اس کی ذرا سی غلطی سے قومیں لڑائیاں ہار جاتی ہیں۔ اس لیے ایسی غلطی نہیں کرنی چاہیے۔ ابھی جب میں نے تیر چلایا تو یہ سوچ لیا تھا کہ میں ایک فوجی سپاہی ہوں اور دشمن پر نشانہ لگا رہا ہوں سو نشانہ خطا ہوگیا۔"

اب مُلّا نے دوسرا تیر اٹھایا اور پوری احتیاط کے ساتھ اُسے بھی چھوڑا۔ وہ بھی نشانے پر

نہ لگا البتہ اب کے اتنی دور نہ گیا جتنا کہ
پہلی بار گیا تھا۔ لوگ بالکل چپ سادھے کھڑے
رہے اور کہیں سے بھی کسی کے ہنسنے یا بات
کرنے کی آواز نہ آئی۔ مُلّا نصرالدین نے پھر
صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔

"آپ لوگوں نے دیکھا! جب آدمی ایک دفعہ
کسی کام میں ناکام ہوجاتے تو اس کے ہاتھ
پاؤں پھول جاتے ہیں اور وہ دوسری بار بھی
ناکام ہوتا ہے۔"

مُلّا کی باتیں سُن کر بھی لوگ مُسکرا رہے
تھے۔ دُکان دار بھی محظوظ ہو رہا تھا۔

اتنے میں مُلّا نے تیسرا تیر اٹھایا اور بڑی
لاپروائی کے ساتھ کمان کھینچ کر تیر چھوڑ دیا۔
اتفاق کی بات، اب کی مرتبہ تیر ٹھیک نشانے پر
لگا۔ مُلّا نے فخر سے اپنا سر اونچا کیا اور کسی
سے کوئی بات کہے بغیر ایک نظر انعاموں پر
دوڑائی۔ جو انعام سب سے زیادہ پسند آیا وہ
دکان دار سے پوچھے بغیر اٹھا لیا اور دکان سے
باہر نکل آئے۔ اس پر بڑا شور و غوغا بلند ہوا

مُلّا نے جو ہنگامہ دیکھا تو مڑے اور سب کو
ہاتھ کے اِشارے سے خاموش رہنے کو کہا۔ جب
سب چُپ ہوگئے تو مُلّا نے پوچھا۔

"جناب ایک آدمی باہر آئے اور مجھے بتلائے
کہ تم لوگ کیا کہنا چاہتے ہو۔؟"

تھوڑی دیر تک تو کسی نے کوئی جواب نہ دیا
مکمل سناٹا چھایا رہا۔ آخر کو ایک دیہاتی باہر
آیا، اس نے مُلّا سے کہا۔

"در اصل ہم لوگ یہ معلوم کرنا چاہتے تھے
کہ آخری بار تیر کیا واقعی آپ نے چلایا تھا؟"

"اوہ! اتنی سی بات!! کیا آپ لوگ دیکھ
نہیں رہے تھے کہ میں نے تیر چلایا تھا۔ بھئی
کمال کر دیا آپ لوگوں نے ——!"

جادُو کا تھیلا

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مُلّا نصرالدین بازار سے
گزر رہے تھے۔ ان کے پاس بہت سے روپے
تھے جنھیں وہ ہوا میں اچھالتے ہوئے چل رہے
تھے۔ اتفاق سے راستے میں ایک مداری بیٹھا ہوا تھا

مداری نے جو اتنے بہت سے روپے مُلّا کے ہاتھ میں دیکھے تو اس کے مُنہ میں پانی بھر آیا۔ اس نے سوچا کہ کسی نہ کسی طرح یہ روپے ہتھیا لیے جائیں چنانچہ یہ خیال آتے ہی اس نے مُلّا کو آواز دی۔ مُلّا کی بدقسمتی کہ وہ اس کے پاس پہنچ گئے اور بڑی شان کے ساتھ بولے۔

"کیا بات ہے اُستاد ——؟"

مداری نے جو مُلّا کو اچھے موڈ میں دیکھا تو بولا۔

"تم تو بڑے سمجھدار آدمی معلوم ہوتے ہو؟"

مُلّا نے فخریہ کہا۔ "اس میں کیا شک ہے!"

مداری بولا۔

"مولینا صاحب! میرے پاس ایک جادو کا تھیلا ہے اگر پسند فرمائیں تو اسے خرید لیں۔"

مُلّا نے جواب دیا۔

"بھئی ایسے کیسے خریدلوں مجھے کچھ اس کے فائدے نقصانات تو سمجھاؤ تب میں سوچوں گا کہ اسے لینا چاہیئے یا نہیں؟"

مداری نے کہا "اچھا تو لیجیے، دیکھیے۔"

یہ کہہ کر مداری نے اپنا ہاتھ جادو کے تھیلے میں ڈالا، اس میں سے ایک خرگوش باہر نکالا۔ اس کے بعد ہاتھ ڈالا تو ایک گیند نکالی۔ اسی طرح تیسری بار ہاتھ ڈال کر ایک پودا نکالا جو باقاعدہ گملے میں لگا ہوا تھا۔

مُلّا نے جو یہ تماشا دیکھا تو بڑے خوش ہوئے۔ ان کے دل میں یہ تمنا کروٹیں لینے لگی کہ یہ تھیلا ضرور خریدا جائے اور اپنے شہر والوں کو تماشا دکھایا جا سکے۔

مداری نے مُلّا پر اور رعب ڈالنے کے لیے کہا۔

"مولینا صاحب! ایک بات کا خیال رکھنا۔ یہ تھیلے بڑے تُنک مزاج ہیں، انھیں پریشان نہ کرنا ورنہ ان کا جادو ختم ہوجائے گا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ کسی دوسرے آدمی سے اس جادوئی تھیلے کا حال مت کہنا۔"

مُلّا نے جواب دیا۔

"اجی توبہ کرو! میں کوئی بے وقوف ہوں، کسی کو ہوا بھی نہ لگنے دوں گا۔"

یہ کہہ کر انھوں نے تھیلے کی قیمت مداری کو دیدی اور تھیلا اپنے خچر کی پیٹھ پر لاد کے اپنی راہ لی۔

راستے میں انھیں بڑی شدت کی پیاس لگی۔ سوچا کیوں نہ جادو کے تھیلے سے پانی مانگا جائے۔ خوشی خوشی خچر سے اترے۔ تھیلا اٹھایا اور بولے "اے جادو کے تھیلے! ایک گلاس ٹھنڈا پانی دو"

یہ کہہ کر تھیلے میں ہاتھ ڈالا لیکن وہاں نہ پانی نہ دانہ۔ کچھ دیر تک سوچتے رہے کہ پانی کیوں نہ نکلا؟ پھر یہ کہہ کر چپ ہو رہے کہ جادوگر نے تو خرگوش، گیند اور پودا نکالا تھا۔ میں بلاوجہ پانی مانگ رہا ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر سوچا کہ چلو تجربے کے طور پر ہم بھی خرگوش نکالیں۔ چنانچہ اب کے خرگوش طلب کیا اور تھیلے میں ہاتھ ڈالا، وہاں خرگوش ہوتا تو ہاتھ آتا۔ اب تو وہ بہت پریشان ہوئے لیکن اس کے باوجود انھوں نے نہ تو جادو کے تھیلے پر شک کیا اور نہ مداری پر۔ وہ سوچنے لگے کہ شاید میں نے تھیلے کو پریشان کر ڈالا ہے۔ مداری نے منع کیا تھا کہ جادو کا تھیلا بڑا تنگ مزاج ہے اسے تنگ نہ کرنا۔ میں نے ناحق اسے پریشان کیا اور اس پر تجربے کرتا رہا۔ خیر چلو اب سہی۔ اب ذرا بھی تنگ نہ کروں گا۔

یہ تہیہ کر کے انھوں نے جادو کا تھیلا خچر پر ڈالا اور شہر کی طرف چل دیے۔ چاہتے تھے کہ کسی طرح جلد سے جلد اپنے شہر پہنچ جاؤں اور شہر والوں کو تماشا دکھاؤں۔

تھوڑی دور گئے ہوں گے کہ خچر بدکنے لگا۔ وہ تیز تیز چلنے کی وجہ سے تھک چکا تھا۔ مُلّا یہ سمجھے کہ غالباً ایک تھیلا بڑھ جانے کی وجہ سے خچر پریشان ہو رہا ہے۔ وہ تو صرف ایک تھیلے اور میرے وزن کا عادی ہے آج ایک تھیلا زیادہ ہوگیا ہے۔ اس خیال کے آتے ہی انھوں نے خچر کو ایک قریبی گاؤں کی طرف موڑ دیا وہاں پہنچ کر ایک اور خچر خرید ڈالا۔

اب انھوں نے جادو کا تھیلا اس نئے خچر پر ڈال دیا اور اس کو اپنے خچر کے ساتھ ساتھ لے کر چلے۔

راستے میں لوگوں نے دیکھا کہ مُلّا ایک خچر پر سوار ہیں، دوسرا خچر ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔ تو انھیں بڑا اچنبھا ہوا۔ چنانچہ ایک راہ گیر نے آگے بڑھ کر پوچھ ہی لیا۔

"مُلّا جی! یہ دو خچر کس لیے لے جا رہے ہو؟"

مُلّا نے جواب دیا۔

"آپ لوگ تو نرے احمق ہیں۔ دو خچر کدھر ہیں؟ میرے پاس تو ایک ہی خچر ہے جس پر میں خود سوار ہوں دوسرا جادو کا تھیلا ہے جسے خچر پر رکھ کر لیے جا رہا ہوں ــــ!"

روٹی کپڑا

ایک مرتبہ مُلّا کو سفر کے دوران حجامت بنوانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ مُلّا سر منڈوانے کے عادی تھے لہٰذا وہ قریب کے گاؤں میں ایک حجام کے پاس پہنچے اور اس سے سر مونڈنے کے لیے کہا۔

حجام نے انھیں کرسی پر بٹھا کر مشین سے سر صاف کرنا شروع کر دیا۔ مُلّا کی بدقسمتی کہ اس کی مشین کچھ خراب تھی۔ جب حجام مشین چلاتا مُلّا کے سر کی کچھ کھال کھنچ جاتی، خون نکل آتا اور مُلّا کی چیخ نکل جاتی لیکن حجام انھیں اطمینان دلا دیتا کہ بس اب تکلیف نہ ہوگی پھر اپنے کام میں لگ جاتا۔ اور جہاں خون نکل آتا وہاں تھوڑی سی روئی چپکا دیتا تاکہ خون بہنے نہ پائے مُلّا کو برابر تکلیف ہوتی رہی اور حجام روئی چپکاتا رہا۔

جب آدھا سر صاف ہو گیا اور اس پر جگہ جگہ روئی چپک گئی تو مُلّا سے ضبط نہ ہوا وہ کھڑے ہو کر حجام سے بولے "بس خلیفہ جی اب تکلیف نہ کرو۔ اپنے پیسے لو میں چلا۔"

نائی نے کہا۔

"مُلّا جی کہیں کوئی آدھے سر کی بھی حجامت کرواتا ہے"

مُلّا نے جواب دیا۔

"کیسی حجامت! تم نے تو میرے آدھے سر میں روئی بودی ہے۔ جانتے ہو کہ انسان کے لیے روٹی اور کپڑا دونوں ہی ضروری ہیں۔ اب میں خود آدھے سر میں گیہوں کی کاشت کروں گا۔"

ڈر بھی کیا چیز ہے

ایک مرتبہ مُلّا حسب عادت کہیں سفر پر جا رہے تھے۔ چاندنی پھیلی ہوئی تھی لیکن راستے میں نہ کوئی آدم تھا نہ آدم زاد، دور دور تک جنگل سائیں سائیں کر رہا تھا۔ مُلّا دم سادھے آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ اچانک انھیں اپنے قریب سے ہی کسی کے خراٹے لینے کی آواز سنائی دی۔ مُلّا کے بدن میں ایک جھرجھری دوڑ گئی۔ انھوں نے کانپتے ہوئے چاروں طرف نگاہ ڈالی، کچھ نظر نہ آیا۔ وہ بھاگنے ہی کو تھے کہ انھیں سڑک کے کنارے ایک غار دکھائی دیا۔ غور سے دیکھا تو اس میں ایک درویش نظر آیا۔ مُلّا ڈرتے ڈرتے درویش کے پاس گئے اور جی کڑا کر کے پوچھا، "کون ہو تم؟"

درویش نے جواب دیا۔

"بھائی ہم فقیر آدمی ہیں۔ یہاں بیٹھ کر خدا کو یاد کرتے ہیں۔ عبادت و ریاضت کے ذریعہ ہم کو خدا کا دیدار حاصل ہوتا ہے۔ تنہائی میں کوئی چیز ہمارے دھیان کو بہکا

نہیں سکتی۔"

مُلّا بولے، "صوفی صاحب! آپ کے خراٹوں نے تو مارے ڈر کے میرا بُرا حال کر دیا تھا۔ میں اب تک تھر تھر کانپ رہا ہوں۔ اب میری تو ہمت نہیں ہے کہ آگے جاؤں۔ آپ میری خاطر ذرا سی زحمت کریں اور مجھے بھی اپنے قریب بیٹھ جانے دیں۔"

درویش راضی ہو گیا اور اس نے اپنے کمبل کا کونا مُلّا کو دیتے ہوئے کہا۔

"لو اس کو اوڑھ کر چپکے لیٹ جاؤ۔ بات چیت ذرا نہ کرنا۔ میں خدا سے لو لگائے بیٹھا ہوں، تمھاری باتوں سے میرا دھیان بٹے گا۔"

مُلّا کمبل میں دبک کر سو گئے۔ مگر تھوڑی ہی دیر کے بعد ان کی آنکھ کھل گئی۔ انھیں پیاس لگ رہی تھی۔

وہ درویش سے مخاطب ہوئے۔

"صوفی صاحب! مجھے پیاس لگی ہے۔ آپ کے پاس پانی تو نہ ہوگا؟"

درویش نے جواب دیا۔

"پانی تو میرے پاس نہیں ہے البتّہ اگر بہت زیادہ پیاس ہو تو سامنے چلے جاؤ۔ وہاں ایک دریا بہہ رہا ہے اس سے پانی پی کر واپس آجاؤ۔"

مُلاّ بولے: "آپ بھی کمال کر رہے ہیں۔ میں ٹھہرا ایک ڈرپوک۔ مجھ میں بھلا اتنی ہمت کہاں کہ اس ڈراؤنی رات میں اتنی دور پانی پینے کے لیے جاؤں۔"

درویش نے جب مُلاّ کو واقعی ڈرتا ہوا دیکھا تو خود ہی پیالہ لے کر پانی پینے چلا گیا۔ جب وہ جانے لگا تو مُلاّ پھر بولے۔

"ارے بھئی آپ کہاں چل دیئے میں اکیلا ڈروں گا۔ مجھے چھوڑ کر نہ جائیے۔"

درویش نے مُلاّ کی طرف چاقو بڑھاتے ہوئے کہا۔

"لو یہ چاقو کھول کر اپنے پاس رکھ لو۔ اس سے تم اپنا بچاؤ کرسکتے ہو اب ڈر نہ لگے گا۔"

مُلاّ نے چاقو لے لیا اور درویش پانی لینے چلا گیا۔

جب درویش نظروں سے اوجھل ہوگیا تو مُلاّ کے دل میں طرح طرح کے وہم آنے لگے۔ مارے ڈر کے ان کی حالت غیر ہورہی تھی۔ وہ دل ہی دل میں منصوبے بنانے لگے کہ اگر کوئی چور اُچکا آیا تو اس پر چاقو سے حملہ کردوں گا وہ بچ کر نہ جاسکے گا۔ کبھی یہ سوچا کہ اگر بدمعاش نے چاقو چھین لیا تو کیا ہوگا۔ غرض اسی اُدھیڑبُن میں بیٹھے تھے کہ درویش پانی لے کر واپس آگیا۔ ڈر کے مارے مُلاّ کے اوسان خطا تھے۔ وہ بالکل بھول گئے کہ درویش کو پانی لینے بھیجا تھا۔ درویش کو دیکھ کر بڑی زور سے گرجے۔

"خبردار آگے نہ بڑھنا ورنہ یہی چاقو پیٹ میں اُتار دوں گا۔"

درویش گھبرا گیا اور بولا۔

"بھائی مسافر! میں تو درویش ہوں اور تمھارے لیے پانی لینے گیا تھا۔"

مُلاّ بولے۔

"مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ تم کون ہو اور کیا ہو؟"

مجھے اس سے بھی واسطہ نہیں کہ تم کہاں گئے تھے؟ یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ تم کوئی چور اچکے ہو اور درویش کا بھیس بدل کر آگئے ہو۔!"

درویش بے چارہ بڑا پریشان ہوا۔ اس نے ملّا کو لاکھ سمجھایا لیکن اس کی ایک سمجھ میں نہ آیا۔ آخر ملّا بولے۔

"تمھارا سر بھی گھٹا ہوا ہے اور بھویں بھی صاف ہیں کہیں صوفی ایسے بھی ہوتے ہیں؟"

درویش بولا۔

"تم یقین مانو، میں وہی درویش ہوں جس نے ابھی تمھیں اپنے کمبل میں سلایا تھا اور جب تم کو پیاس لگی تو تمھارے لیے پانی لینے چلا گیا۔"

ملّا نے جواب دیا۔

"جاؤ جاؤ باتیں نہ بناؤ۔ بڑے آئے ہمارے ہمدرد کہیں کے۔ جاتے ہو یا کروں ابھی تمھارا خاتمہ ___!"

درویش نے لجاجت سے کہا۔

"خدا کے واسطے مسافر ایسا نہ کرو۔ ایک

تو ہمارے گڑھے پر قبضہ جما رکھا ہے دوسرے مارنے کی دھمکی دے رہے ہو"

ملّا نے جواب دیا۔

"یہ تمھاری قسمت ہے۔ اب خیریت اسی میں ہے کہ جاکر دوسرا غار تلاش کرو اور مجھے معاف کرو۔"

درویش بولا۔

"خیر وہ تو میں چلا جاؤں گا، لیکن میری سمجھ میں یہ نہیں آرہا ہے کہ آخر تم اتنی جلدی بدل کیوں گئے؟"

نصرالدین نے جواب دیا۔

"یہ تم نہیں سمجھ سکتے۔ بات در اصل یہ ہے کہ ڈر بڑی خراب چیز ہے۔ ڈر آدمی کو اندھا کر دیتا ہے۔ جب انسان ڈرتا ہے تو پھر اُسے نہ تو بھوک پیاس ستاتی ہے۔ اور نہ عقل ساتھ دیتی ہے۔ تم کو تو ڈر لگتا نہیں ہے اسی لیے تمھیں ڈر کا اندازہ نہیں ہے ___ اب تم جاؤ اور مجھے سونے دو!"

مقامِ شکر

ایک دن مُلّا نصرالدین اپنے دوستوں میں بیٹھے خوش گپیاں کر رہے تھے۔ اچانک انھوں نے سنجیدگی اختیار کر لی۔ اور چپ ہوگئے۔ دوست ان کا منھ تکنے لگے۔ کچھ دیر بعد وہ پھر یوں مخاطب ہوئے۔

"ہم لوگوں کو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے"

دوستوں نے یک زبان ہو کر پوچھا۔

"آخر کیوں؟ اس وقت یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی؟"

مُلّا نے جواب دیا۔

"میں یہ سوچ رہا تھا کہ اللہ نے بڑا احسان کیا کہ اونٹ کو پر عطا نہیں کیے ورنہ ہمارے مکانوں کی چھتوں پر بیٹھ جاتا اور وہ ٹوٹ کے نیچے آگرتیں یہ مقامِ شکر ہے یا نہیں؟"

ڈر کی خوبیاں

ایک مرتبہ بادشاہ نے مُلّا نصرالدین کو بُلوا بھیجا۔ بادشاہ بڑا ظالم اور سخت گیر تھا۔ رعایا اس کے نام سے کانپتی تھی۔

جب مُلّا نصرالدین اس کے دربار میں حاضر ہوئے تو اُس نے شاہانہ رعب کے ساتھ اُن سے پوچھا۔

"مُلّا سچ سچ بتاؤ تمھیں اتنا علم کیسے حاصل ہوا۔ یقیناً تم کوئی صوفی یا بزرگ ہو۔ عام آدمی سے کوئی بھی اتنی خوبیوں کی اُمید نہیں کر سکتا"

مُلّا نے بڑے ادب سے جواب دیا۔

"عالم پناہ! یہ تو مجھے خود بھی نہیں معلوم کہ میں کیا ہوں البتہ اتنا جانتا ہوں کہ مجھے آسمانوں میں سفید براق نظر آتے ہیں تو زمین کی تہہ میں کالا شیطان دکھائی دیتا ہے۔"

بادشاہ نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ کیسے ممکن ہے کہ تم جیسا معمولی آدمی آسمانوں کی بھی سیر کرے اور زمین جیسی ٹھوس چیز کے اندر کی چیزیں بھی دیکھ لے؟"

مُلّا نے جواب دیا۔

"یہ بھی کوئی مشکل کام ہے! بادشاہ سلامت! اتنی خوبیاں صرف ایک چیز سے حاصل ہو جاتی ہیں"

بادشاہ نے دل چسپی لیتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ کون سی چیز ہے مُلّا!"
مُلّا نے اطمینان سے جواب دیا۔
"ڈر!"

تحفہ

ایک دفعہ مُلّا نے اپنے گھر میں گاجریں بوئیں
جب گاجریں خوب بڑی ہوگئیں تو انھوں نے
ایک مالی سے مشورہ کرکے انھیں اکھیڑ لیا۔ اور
ایک جگہ جمع کیا۔ گاجریں اچھی خاصی تعداد میں تھیں
اور ذائقہ میں بھی خوب میٹھی تھیں۔ مُلّا نے سوچا
کیوں نہ انھیں بادشاہ کی خدمت میں پیش کردیں
تاکہ اس تک رسائی بھی ہوجائے اور کچھ انعام
اکرام بھی مل جائے؟"
یہ سوچ کر مُلّا نے ایک گٹھری میں سب
گاجروں کو باندھا اور بادشاہ کے محل کی طرف
چل پڑے۔
راستے میں انھیں ایک دوست مل گیا۔ دوست
نے پوچھا کہ کدھر کا ارادہ ہے۔ مُلّا نے سب
صحیح صحیح بتادیا۔ اس پر دوست نے مُلّا کا بڑا
مذاق اڑایا اور کہا
"تم بھی بڑے بھولے ہو۔ کہیں بادشاہ کے پاس
گاجریں بھی لے جائی جاتی ہیں۔ کوئی چھوٹا اور
نازک پھل خرید کر بادشاہ کو دو تو وہ لے کر خوش
بھی ہوگا۔ گاجریں تو وہ منھ پر مار دے گا!"
بات مُلّا کی سمجھ میں آگئی۔ انھوں نے فوراً
بازار سے انگوروں کے کئی گچھے اور انجیر خریدے
اور گاجریں گھر میں چھوڑ کر بادشاہ کے پاس جا پہنچے۔ بادشاہ
بڑے اچھے موڈ میں تھا۔ اس نے مُلّا کا تحفہ قبول کرلیا
اور مُلّا کو انعام اکرام دے کر رخصت کیا۔
مُلّا بڑے خوش ہوئے اور بادشاہ کے اخلاق
کی بھی خوب تعریف کی۔
دوسرے ہفتہ انھوں نے پھر تحفہ لے جانے کا
قصد کیا۔ دل میں انعام بسا ہوا تھا۔ چنانچہ اس
بار انھوں نے خوب بڑے بڑے مالٹے خریدے
اور بادشاہ کے پاس لے گئے۔ آج بادشاہ کا
موڈ بڑا خراب تھا۔ جوں ہی مُلّا نے مالٹے بادشاہ
کی خدمت میں پیش کیے اس نے انھیں فوراً ہی
مُلّا کے منھ پر دے مارا۔ مُلّا بے چارے کو بڑی چوٹ آئی۔ اور وہ

فرش پر گر پڑے۔ اب ان کی آنکھیں کھلیں۔
انھوں نے دل ہی دل میں کہا۔
"اب میں سمجھا! لوگ کیوں چھوٹی اور نازک چیزیں پسند کرتے ہیں۔ اگر چھوٹی چیزیں منھ پر ماری جائیں تو چوٹ نہیں لگتی، بڑی چیزیں ماری جائیں تو چوٹ آجاتی ہے۔ اگر کہیں خدا نخواستہ میں گاجریں لے آتا تو آج ختم ہی ہوجاتا۔ وہ تو اللہ نے بڑی خیر کی جو راستے میں دوست مل گیا جس نے گاجروں کی جگہ انگور اور انجیر لے جانے کا مشورہ دیا۔

ملّا شہ سوار

ایک دن کا ذکر ہے ملّا نصرالدین اپنے دوستوں میں بیٹھے ہوئے اپنے کارنامے سنا رہے تھے لوگ بڑے شوق سے سن رہے تھے دوران گفتگو میں انھوں نے ایک بہت ہی طاقتور اور اچھی نسل کے گھوڑے کا ذکر کیا اور بتایا۔
"میں ایک روز بادشاہ کے دربار میں بیٹھا تھا کہ ایک آدمی اس گھوڑے کو لے کر دربار میں حاضر ہوا۔ گھوڑا کافی اونچا تھا اور شرارتی معلوم ہورہا تھا۔ اس کے مالک نے درباریوں سے کہا ہے کوئی جو اس گھوڑے پر سواری کرے؟ درباریوں میں سے کسی کی ہمت نہ پڑی جو جواب دیتا۔ بالآخر میں بول پڑا کہ ہاں ہاں میں سوار ہوں گا۔ یہ کہہ کر میں گھوڑے کی طرف چپکا۔"
اتنا کہہ کر ملّا خاموش ہوگئے اور اٹھنے کا ارادہ کرنے لگے۔
کسی نے پوچھا۔
"پھر کیا ہوا ملّا! آپ نے سواری کی؟"
ملّا نے جواب دیا۔
"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ کیا تم لوگ اتنی سی بات نہیں سمجھ سکتے۔ کہ جس گھوڑے پر کوئی درباری نہ بیٹھ سکا ہو اس پر میں بھلا کیوں کر بیٹھ سکتا تھا۔ میں بھی چپکا ہورہا——!"

حاضر دماغی

ملّا نصرالدین تاتاریوں کے بڑے سخت دشمن

تھے۔ ہر محفل اور ہر جگہ ان کو بُرا بھلا کہا کرتے
تھے۔ اس زمانے میں تاتاریوں کو ہر جگہ فتح نصیب
ہو رہی تھی۔ سارے مغربی ایشیا پر وہ چھاتے
چلے جا رہے تھے۔

ایک دن مُلّا جمعہ کی نماز سے پہلے مسجد میں تقریر
کر رہے تھے۔ اس میں انھوں نے تاتاریوں کی زیادتیوں
اور مظالم کا ذکر کیا اور تیمور لنگ کو بھی بُرا بھلا کہا۔
تیمور کو پہلے ہی خبر مل چکی تھی کہ مُلّا نصر الدین
ہمارے دشمن ہیں اور ہر جگہ ہماری مخالفت کیا
کرتے ہیں۔ چنانچہ اس جمعہ کو وہ خود فقیر کا بھیس
بدل کر مسجد میں آیا ہوا تھا تاکہ اپنے کانوں سے
مُلّا کی باتیں سنے۔ تیمور کے ساتھ اس کے بہت
سے سپاہی بھی سادے کپڑے پہنے مسجد میں
موجود تھے۔

مُلّا نے جب اپنی تقریر ختم کر کے دُعا مانگی۔
"اے خدا ان تاتاریوں کو غارت کر دے!" اور
تیمور لنگ نے جو یہ دعا سنی تو آگے بڑھا اور
مُلّا سے کہا۔
"خدا تمھاری دعا کبھی قبول نہیں کرے گا۔"

مُلّا نے کہا۔
"آخر کیوں؟ جب وہ سب کی سنتا ہے تو
ہماری کیوں نہ سنے گا؟"
تیمور لنگ نے جواب دیا۔
"تمھیں اپنے کیے کی سزا مل رہی ہے۔ تم
جانتے ہو کہ ہر بات کی ایک وجہ ہوتی ہے،
کوئی کام یوں تو ہو نہیں جاتا۔ تم نے یقیناً
کوئی کام ایسے کیے ہوں گے جن کی سزا آج
مل رہی ہے۔ اور جب موجودہ حکمران تم پر
بطور سزا مسلّط کیے گئے ہیں تو ان کا بدلہ کیسا؟"
اب تو مُلّا بہت سٹپٹائے۔ انھوں نے دیکھا
کہ یہ باتیں ایک فقیر کہہ رہا ہے۔ یقیناً ان میں
کچھ نہ کچھ سچائی ضرور ہوگی۔ انھوں نے مزید کھوج
لگانے کی نیت سے تیمور لنگ سے پوچھا۔
"آپ کون صاحب ہیں اور کیا نام ہے؟"
تیمور لنگ نے جواب دیا۔
"میں ایک فقیر آدمی ہوں میرا نام تیمور ہے"
تیمور کا نام سنتے ہی مُلّا کے چہرے کا رنگ
اُڑ گیا۔ انھوں نے بمشکل حواس پر قابو پاتے

ہوئے نمازیوں پر نگاہ دوڑائی۔ کچھ لوگ اِدھر اُدھر کھڑے تھے جو ہتھیاروں سے لیس تھے۔ مُلّا سمجھ گئے کہ یہ تیمور کے سپاہی ہیں۔

انھوں نے مزید تصدیق کے لیے پوچھا۔

"کیا آپ کا نام لنگ پر تو ختم نہیں ہوتا؟"

تیمور نے جواب دیا۔ "ہاں"

اب مُلّا پھر نمازیوں سے مخاطب ہوئے اور بولے۔

"بھائیو! ابھی ہم نے اجتماعی طور پر دعا مانگی تھی۔ اب سب کے سب اکٹھا ہوکر مرنے کے لیے تیار ہوجاؤ۔ ہم لوگوں کا وقت قریب آپہنچا۔"

تیمور نے جو یہ باتیں سنیں تو بڑا محظوظ ہوا۔ اس نے مُلّا کو نہ صرف معاف کر دیا بلکہ اپنے درباریوں میں شامل کر لیا۔

جو سوتا ہے وہ کھوتا ہے

ایک مرتبہ مُلّا نصرالدین کے گھر سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک شاہراہ تعمیر کی گئی۔ مُلّا کو بڑی خوشی ہوئی کہ اب خوب مزے سے سیر کیا کریں گے اور چونکہ اس پر لوگوں کی آمدو رفت زیادہ ہوگی اس لیے ڈر بھی نہ لگے گا۔

جب مُلّا کو اطلاع ملی کہ شاہراہ بن کر تیار ہوگئی ہے تو انھوں نے ارادہ کیا کہ چلو اس کا افتتاح تو کر آؤں۔ چنانچہ وہ خوب اچھے کپڑے پہن کر عمامہ سر پر باندھ کر شاہراہ کی سیر کے لیے روانہ ہوگئے۔ شاہراہ نہایت چوڑی اور پختہ بنی تھی۔ اس کے دونوں طرف سایہ دار درخت بھی لگائے گئے تھے۔ جگہ جگہ پانی کی سبیلیں بھی تھیں۔ مُلّا یہ سب منظر دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور دور تک دیکھتے چلے گئے۔

جب کافی چل لیے تو انھیں تھکن معلوم ہوئی۔ سوچا کہ کسی درخت کے نیچے تھوڑی دیر آرام کرلوں پھر واپس چلوں۔ یہ سوچ کر وہ ایک گھنے درخت کی چھاؤں میں لیٹ گئے۔ تھکے ہوئے تو تھے ہی۔ لیٹتے ہی نیند آگئی اور وہ بے خبر سو گئے۔ آنکھ کھلی تو دیکھا کہ ان کا عمامہ غائب ہے۔ غالباً سونے میں کوئی اُچکا لے کر چمپت ہوگیا تھا۔

ملا بڑے پریشان ہوئے۔ چاروں طرف نگاہ دوڑائی لیکن کوئی نظر نہ آیا۔ چاروناچار ننگے سر روانہ ہوگئے۔

اب دوپہر ہوچکی تھی۔ سورج بڑی تیزی سے چمک رہا تھا۔ گرمی کا زمانہ اور دوپہر کا وقت ملا پسینے میں شرابور ہوگئے۔ پھر ان سے چلا نہ گیا اور وہ ایک درخت کے نیچے آرام کرنے لگے۔

یہاں پھر ان پر نیند کا غلبہ ہوا اور وہ خراٹے لینے لگے۔ کچھ ہی دیر ہوئی ہوگی کہ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز اور لوگوں کی باتوں سے ان کی آنکھ کھل گئی۔ اٹھ کر دیکھا تو سامنے سپاہیوں کا ایک جتھا نظر آیا جو گھوڑوں پر سوار تھا۔ اور ایک آدمی کو پکڑے ہوئے لیے جارہا تھا۔

سپاہی صورت سے نہایت بھیانک اور جلاد معلوم ہورہے تھے۔ ملا کو بڑی تشویش ہوئی کہ آخر معاملہ کیا ہے، یہ سپاہی اس آدمی کو کیوں پکڑے لیے جارہے ہیں؟ جب ان سے صبر نہ ہوا تو آگے بڑھ کر سپاہیوں کو روکا اور ان سے پوچھ ہی لیا۔

”ارے بھائی کیا معاملہ ہے؟“ سپاہیوں میں سے ایک نے، جو اپنی وردی اور وضع قطع سے ان سب کا افسر معلوم ہورہا تھا، جواب دیا ”ہم اس آدمی کو گرفتار کرکے لیے جارہے ہیں۔ اسے بادشاہ نے شاہراہ کی حفاظت کے لیے تعینات کیا کیا تھا۔ ابھی ہم لوگ جو جانچ کے لیے نکلے تو دیکھا یہ سورہا ہے۔ پس ہم نے اسے گرفتار کرلیا“

ملا نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

”تو کیا آپ لوگ اس کو سزا دیں گے؟“

پولیس افسر نے جواب دیا ”جی ہاں اس کا سر قلم کیا جائے گا۔“

ملا نے کہا ”اوہ! اب میں سمجھا۔ جو کوئی اس شاہراہ پر سوتا ہے اسے یا تو اپنی پگڑی سے ہاتھ دھونا ہوتا ہے یا سر سے۔ خدا جانے اب کون سی چیز سے کس کو ہاتھ دھونے پڑیں۔ البتہ اس کا مجھے پکا یقین ہے کہ آپ لوگ اس سڑک کی حفاظت اچھی طرح کریں گے“

ملا ابھی یہ کہہ ہی رہے تھے کہ ان کی بیوی نے شانہ پکڑ کر زور سے ہلایا۔

"جاگ جاؤ بہت دن چڑھ چکا ہے"
مُلّا نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔
"چلی جاؤ یہاں سے ___ کیا تم سمجھتی ہو میں
سو رہا ہوں میں بالکل جاگ رہا ہوں۔ ہائے میرا
عمامہ! بختوں نے پھاڑ بھی ڈالا ہوگا"
یہ کہہ کر مُلّا آنکھیں ملتے ہوئے اُٹھ بیٹھے دیکھا
تو عمامہ سرہانے رکھا ہوا ہے۔

سوچنے کا انداز

ایک دن مُلّا نصرالدین صبح کی سیر کو نکلے تو
ٹہلتے ٹہلتے کافی دور نکل گئے۔ اب انھیں واپسی
کا خیال آیا۔ انھوں نے سوچا کہ جتنی دیر میں یہاں
تک پہنچا ہوں اتنی ہی دیر واپسی میں بھی لگے
گی اس لیے بہتر یہ ہے کہ کسی چھوٹے راستے سے
چلیں۔ ایک راستہ جنگل میں سے ہو کر اُن کے
گھر کو جاتا تھا۔ جو کافی مختصر تھا۔ جنگل گھنے درختوں
سے بھرا ہوا تھا۔ صبح کا سہانا وقت تھا۔ چڑیاں
چہچہا رہی تھیں۔ پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو سے
دماغ معطر ہو رہا تھا۔ مُلّا نے اسی راستے کا انتخاب
کیا اور آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ وہ بڑے خوش
تھے آج صحیح راستے سے جا رہے ہیں۔ آج کا دن
بڑا اچھا گزرے گا۔

ابھی زیادہ دور نہ گئے ہوں گے کہ اچانک وہ
ایک گڑھے میں جا گرے۔ اب تو وہ بہت چکرائے
وہ تو سوچ رہے تھے کہ دن بڑا اچھا گزرے گا
اچانک یہ کیا مصیبت آن پڑی۔ پہلے تو خیال آیا کہ
کیوں نہ پرانی سڑک سے گئے پھر دل کو یوں سمجھایا۔
"جب اتنے خوب صورت اور سہانے ماحول
میں اتنی بڑی مصیبت آسکتی ہے تو میں لمبی
شاہراہ سے واپس گیا ہوتا تو خدا جانے کیا مصیبت
آتی!"
یہ سوچ کر وہ مطمئن ہو گئے اور گڑھے
سے نکل کر کپڑے جھاڑے اور گھر کی راہ لی۔

بچھڑے کی تربیت

ایک دن مُلّا کو حماقت کا زبردست دورہ پڑا۔
انھوں نے گائے کا بچھڑا پکڑا اور اسے اپنے قلم
کے سوراخ میں داخل کرنے کی کوشش کرنے

لگے۔ اتنا بڑا بچھڑا قلم کے سوراخ میں بھلا کیوں
کر جاتا؟ وہ بڑے زچ ہوئے غصّہ اتارنے کے
لیے گائے کے پاس پہنچے اور پاس کھڑے ہو کر
اس کو خوب صلواتیں سنائیں۔
قریب ہی کوئی آدمی کھڑا ہوا مُلّا کی حرکتیں
دیکھ رہا تھا، وہ پوچھ بیٹھا۔
"ارے مُلّا! گائے کو کیوں بُرا بھلا کہہ رہے
ہو؟"
مُلّا نصرالدین نے جواب دیا۔
"تم چُپ رہو جی، اپنی ٹانگ نہ اڑاؤ۔ یہ سب
اس گائے کی خطا ہے۔ اس نے بچھڑے کی صحیح
تربیت ہی نہیں کی ——!"

دوسری بات

گرمیوں کے دن تھے۔ بہت تیز دھوپ تھی۔
لو کے جھونکے بھی چل رہے تھے۔ مُلّا اسی گرمی
میں گھر سے نکل پڑے انھوں نے سوچا کہ کہیں
گرمی سردی سے دُنیا کے کام بند ہو جاتے ہیں۔
گھر سے نکل کر تھوڑی دور گئے ہوں گے کہ حلق
میں کانٹے پڑنے لگے۔ ارے پیاس کے بُرا حال
ہونے لگا۔ اِدھر اُدھر دیکھا کہ شاید کہیں پانی نظر
آجائے لیکن وہاں نہ پانی تھا اور نہ کوئی آدمی ہی
نظر آیا جس سے دل کا حال کہتے۔ پہلے تو سوچا کہ
چلو واپس چلیں لیکن گھر سے پکّا ارادہ کرکے چلے
تھے کہ کام کرکے لوٹیں گے اس لیے واپسی کی
ہمت نہ پڑی۔
اتنے میں ایک آدمی نظر آیا جس کے ہاتھ میں
انگور کے خوشے تھے۔ انگور نہایت عمدہ اور تازے
تھے۔ مُلّا کے مُنھ میں پانی بھر آیا۔ للچائی نظروں سے
انگوروں کی طرف دیکھا، لپکتے ہوئے اُس کی طرف
گئے اور اس سے بولے۔
"شیخ صاحب! شیخ صاحب! تھوڑے سے انگور
مجھے دے دیجیے۔ بڑی پیاس لگی ہے"
اس آدمی نے مُلّا کی طرف غور سے دیکھا اور بولا۔
"میں شیخ نہیں ہوں ایک عام آدمی ہوں مجھے
اس طرح آواز مت دو"
مُلّا سمجھے کہ شاید کوئی بہت بڑا آدمی ہے اور
میرے شیخ کہنے سے کھسیانا ہو گیا ہے۔ اس کو زیادہ

اچھے لفظوں سے مخاطب کیا جاتے تو یہ خوش ہو جائے گا اور ہمیں انگور دیدے گا۔ یہ سوچ کر انھوں نے دوبارہ آواز دی

"جنابِ عالی! مجھے صرف ایک ہی انگور دے دیجیے"

اس آدمی نے غصے سے کہا۔

"میں کہہ چکا ہوں کہ عالی والی میں کچھ بھی نہیں ہوں ٹھیک سے بات کرو"

اب تو مُلّا اور بھی بوکھلائے اور جل کے بولے

"اچھا صاحب نہ بتائیے کہ آپ کون ہیں کیا ہیں؟ ممکن ہے تھوڑی دیر میں یہی پتا چلے کہ آپ کے ہاتھ میں جو کچھ ہے وہ بھی انگور نہیں ہیں۔ کوئی اور شے ہے۔ اس لیے اس بات ہی کو رہنے دیجیے۔ چلیے کوئی دوسری بات کریں"

سرپھرے لوگ

ایک دن سفر کے دوران مُلّا نے کسی گاؤں میں لوگوں کو نیا چاند دیکھتے ہوئے پایا۔ مُلّا کو بڑا تعجب ہوا۔ کہنے لگے "اس گاؤں کے لوگ عجیب سرپھرے ہیں۔ اتنی بڑی تعداد میں اکٹھا ہو کر اتنا باریک سا

پہ چاند دیکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہمارے گاؤں کے لوگ تو پورے چاند کو بھی کبھی دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے۔"

مُلّا کا امتحان

ایک دن مُلّا نصیرالدین بازار سے گزر رہے تھے ان کے ساتھ ان کا ایک نادان دوست بھی تھا۔ راستے میں انھیں ایک صوفی بزرگ مل گئے۔ صوفی صاحب مُلّا نصیرالدین کی شہرت سن چکے تھے۔ انھوں نے سوچا کہ کیوں نہ آج مُلّا کا امتحان لیا جائے اور معلوم کیا جائے کہ وہ صرف ظاہری علم رکھتے ہیں یا باطنی علم میں بھی ان کو کچھ دخل ہے؟ یہ سوچ کر انھوں نے مُلّا کو ہاتھ کے اشارے سے روکا پھر منہ سے کچھ بولے بغیر اپنے داہنے ہاتھ کی کلمے کی انگلی کو آسمان کی طرف بلند کیا۔ اُسے ہوا میں دو تین چکر دے کر ہاتھ نیچے کر لیا اور خاموش کھڑے ہو گئے اب وہ انتظار کرنے لگے کہ دیکھیں مُلّا کیا جواب دیتے ہیں؟ اسی سے اندازہ ہو جائے گا کہ مُلّا کا دل کتنا روشن ہے۔

صوفی کا مطلب یہ تھا کہ دنیا میں صرف ایک سچائی ہے جو تمام کائنات پر چھائی ہوئی ہے اور

وہ سچائی ہے خدا کی ذات۔

ملّا کا ساتھی یہ منظر دیکھ کر بڑا گھبرایا وہ سمجھا کہ صوفی کوئی پاگل آدمی ہے اور ممکن ہے ملّا پر حملہ کر بیٹھے۔ اسے اس بات پر اور بھی تعجب ہو رہا تھا کہ ملّا اپنے بچاؤ کے لیے کچھ بھی نہیں کر رہے ہیں اور اپنی جگہ کھڑے ہیں۔

مگر ملّا کہاں خاموش رہنے والے تھے۔ فوراً اپنے تھیلے میں ہاتھ ڈالا ایک رسّی کا لچھا باہر نکالا اور اپنے دوست کو دے دیا۔ اب دوست مطمئن ہوگیا وہ سمجھ گیا کہ ملّا کا مطلب یہ ہے کہ اگر پاگل صوفی حملہ کرے تو اسے رسّی سے باندھ دیا جائے لیکن صوفی نے رسّی کو دیکھ کر کچھ اور ہی نتیجہ نکالا۔ وہ سمجھے ملّا کا مطلب یہ ہے کہ ایک عام آدمی سچائی کی تلاش صحیح طرح نہیں کرتا ورنہ وہ سچ ضرور پائے۔ ایک عام آدمی کی کوشش ایسی ہی ہوتی ہے جیسے کہ کوئی آسمان تک جانے کے لیے رسّی کی مدد لے۔

چنانچہ وہ ملّا کے باطنی علم کے قائل ہو گئے بڑھ کر ان سے مصافحہ کیا اپنی راہ لی۔ حالانکہ

حقیقت یہ ہے کہ ملّا نصرالدین کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ صوفی کیا کہنا چاہتا تھا؟

بھوک کی نعمت

ایک دن ملّا ایک شادی کی دعوت میں شریک ہوئے۔ ان کی عادت تھی کہ جب دسترخوان پر بیٹھتے تو خوب اطمینان سے کھاتے۔ چنانچہ اس دن بھی انھوں نے زردہ، بریانی اور متنجن پر ہاتھ صاف کیا۔ تمام مہمان کھا کے اٹھ گئے لیکن یہ برابر اپنے کام میں لگے رہے۔ بالآخر ایک منتظم دعوت نے ملّا سے طنزاً کہا۔

"ملّا صاحب کچھ اور پیش کروں؟"

ملّا نے جواب دیا۔

"بھائی خدا آپ کا بھلا کرے۔ ایک پلیٹ بریانی کی لا دیجیے۔ خدا نے مجھے ایک یہی بھوک کی نعمت تو عطا کی ہے ورنہ اس کے سوا اور میرے پاس کیا رکھا ہے؟"

ملا کا ستارہ

ملا نصرالدین کو علم نجوم پر بڑا ناز تھا، اپنے برابر وہ کسی کو مانتے ہی نہ تھے۔ ایک دن کسی نجومی کو شرارت سوجھی۔ اس نے ملا کا امتحان لینے کی ٹھان لی۔ وہ ملا کے پاس آیا اور ان سے پوچھا۔

"ملا صاحب! جب آپ پیدا ہوئے تھے تو آپ کا ستارہ کس برج میں تھا؟"

ملا بولے۔

"آپ سیدھا سوال کیوں نہیں کرتے۔ گھما پھرا کے بات کرتے ہیں۔ میں ایک کرائے کے مکان میں پیدا ہوا تھا کہیے آپ کو کیا کہنا ہے؟"

نجومی سمجھا کہ ملا سارا مطلب نہیں سمجھ سکے اس لیے صاف صاف پوچھا۔

"ملا صاحب میں علم نجوم پر بات کر رہا ہوں میرا مطلب یہ ہے کہ آپ کس ستارے کے سائے میں پیدا ہوئے تھے؟"

ملا نے جواب دیا۔

"ہمارا ستارہ گدھے کے برج میں تھا، ٹھیک اسی وقت میں پیدا ہوا"

نجومی نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ گدھے کا برج کون سا ہوتا ہے۔ یہ تو میں آج پہلی مرتبہ آپ کی زبان سے سن رہا ہوں"

ملا نے بڑی صفائی سے جواب دیا۔

"تمھاری عمر مجھ سے زیادہ ہے اس لیے تمھارا علم بھی پرانا ہے۔ اب علم نجوم میں کافی ترقی ہوگئی ہے اور اس میں بہت سے نئے برج شامل ہوگئے، ایک گدھے کا برج بھی ہے۔ کیا سمجھے آپ؟"

میں کون ہوں

ایک مرتبہ ملا نصرالدین بغداد گئے۔ اس کو انھوں نے بہت بڑا اور خوب صورت شہر پایا۔ ہر طرف سڑکوں کا جال بچھا ہوا تھا اور ہر بازار میں گہما گہمی تھی۔ ملا یہ منظر دیکھ کر بہت خوش ہوئے لیکن انھیں یہ فکر کھائے جا رہی تھی کہ یہاں کے لوگ راستہ کیسے یاد رکھتے ہیں سیکڑوں

.blogspot.com

سڑکیں، گلیاں اور شاہراہیں ہیں، دوسری فکر یہ
تھی کہ لوگ کھوتے کیوں نہیں ہیں؟ بالآخر مُلّا
نے سوچا کہ دوسروں کی فکر کرنا بے کار ہے، خود
اپنے کو یاد رکھو اور خوب احتیاط سے دیکھ بھال
کے چلو وہ سوچنے لگے کہ اگر کہیں میں خود
کھو گیا تو کون تلاش کرے گا، یہاں تو کوئی جاننے
والا بھی نہیں ہے۔

چلتے چلتے وہ ایک سرائے میں پہنچے اور اس
کے مالک سے کہا۔

"میں یہاں قیام کرنا چاہتا ہوں۔"

اس نے انھیں ایک بستر الاٹ کر دیا نصرالدین
نے سوچا کہ تھوڑی دیر آرام کر کے پھر شام کو
گھومنے جائیں گے اور جی بھر کے بغداد کی سیر
کریں گے چنانچہ وہ اپنے بستر پر لیٹ گئے۔ ان
کے برابر جو آدمی لیٹا ہوا تھا وہ کوئی مسخرہ تھا۔
مُلّا جب لیٹے تو ان کے دل میں خیال آیا
کہیں ایسا نہ ہو کہ میں سو جاؤں اور جب آنکھ
کھلے تو خود کو پہچان نہ سکوں۔ یہ کیسے معلوم ہوگا
کہ میں کون سا آدمی ہوں لہٰذا انھوں نے برابر
والے مسخرے سے اپنی پریشانی بیان کی۔ مسخرے بولا

"اس میں پریشانی کی کون سی بات ہے۔ وہ
دیکھو سامنے ایک غبارا پڑا ہے۔ اُسے اٹھا کر
اپنے پاؤں میں باندھ لو اور سو جاؤ۔ جب آنکھ
کھلے گی تو تم غبارے کی مدد سے خود کو فوراً پہچان لوگے۔"

مُلّا کی سمجھ میں یہ ترکیب آگئی۔ انھوں نے
جھٹ غبارہ اپنے پیر میں باندھ لیا اور سو گئے۔
جب مُلّا بے خبر سو گئے تو مسخرا اپنے بستر
سے اٹھا اور چپکے سے مُلّا کے پیر سے غبارہ
کھول کر اپنے پیر میں باندھ لیا۔ کافی دیر بعد جب
مُلّا کی آنکھ کھلی تو انھوں نے غبارا مسخرے کے پیر
میں بندھا پایا لہٰذا انھوں نے طے کر لیا کہ میں برابر
والی چارپائی پر لیٹا ہوں لیکن اس فیصلے کو
ان کے دل نے قبول نہ کیا۔ اب بہت چکرائے
اور گھبراہٹ میں مسخرے کو ٹہوکے مار مار کے جگا دیا
جب وہ اٹھ بیٹھا تو اس سے بولے۔

"ارے بھائی مجھے ایسا لگتا ہے کہ کچھ گڑبڑ
ہوگئی ہے۔ ذرا اٹھو دیکھو تو کیا ہوا؟ تمھاری
تجویز میں نے عمل کیا لیکن وہ کامیاب ثابت نہ

بولی ۔ جلدی اٹھو!"
مسخرہ جب اچھی طرح ہشیار ہوگیا تو اس نے
پوچھا۔
"ارے کیا اودھم مچا رکھا ہے ۔ کیا بات ہے
چپکے نہیں لیٹا جاتا؟"
مُلا نے جواب دیا۔
"ہماری مشکل حل کرو ورنہ ہم پاگل ہوجائیں
گے ۔ غبارا یہ بتاتا ہے کہ تم تم نہیں ہو، میں ہوں
لیکن اگر تم کو میں مان لیا جائے تو خدا کے
واسطے مجھے بتاؤ کہ میں کون ہوں؟"

مُردے کی پہچان

ایک دن مُلا پر فلسفہ کا دورہ پڑا ۔ بیٹھے بیٹھے
سوچنے لگے کہ بعض لوگ جو ظاہری طور پر زندہ
معلوم ہوتے ہیں لیکن حقیقتاً مردہ ہیں' اس کے برخلاف
بعض لوگ جو مر چکے ہیں زندوں کی طرح معلوم ہوتے
ہیں ۔ اس کی کیا وجہ ہے ؟ آخر وہ کون سی خوبی
ہے جو زندہ اور مردہ کو جدا کرتی ہے ۔ مُلا کا
مطلب یہ تھا کہ کوئی ایسی آسان پہچان ہونی چاہیے
جس سے بغیر کسی زحمت کے بتایا جا سکے کہ فلاں
شخص زندہ ہے یا مردہ۔
مُلا اپنی سوچ میں اس قدر غرق ہوئے کہ
ماحول سے بالکل غافل ہوگئے ۔ اور یہی باتیں زور
زور سے کرنے لگے ۔ ان کی بیوی نے یہ بڑبڑاہٹ
سن لی اور پاس آکر بولیں ۔
"تمھیں دنیا کا کوئی اور کام بھی ہے کہ بس
یونہی بک بک کیا کرتے ہو؟"
مُلا بولے ۔
"تم چولھا ہانڈی کرو، تمھیں ہمارے علمی مسائل
سے کیا غرض؟"
بیوی نے جواب دیا ۔
"اے ہم بھی تو سنیں تمھارے علمی مسائل بڑے
قابل بنے پھرتے ہو"
مُلا نے کہا ۔
"لو بتاؤ! بالکل معمولی سوال ہے کہ مُردہ کسے
کہتے ہیں، مرے ہوئے آدمی کی کیا پہچان ہے؟"
بیوی نے جواب دیا ۔
"تو یہی ہیں تمھارے علمی مسائل ـــ یہ بھی کوئی

مشکل بات ہے۔ ارے جس کسی کے ہاتھ پاؤں
ٹھنڈے برف ہو جائیں سمجھو کہ مر چکا ہے۔"
ملا بیوی کی اس عقلمندی کے جواب پر بہت
خوش ہوئے۔ بات آئی گئی ہوئی۔
ایک دن کا ذکر ہے کہ ملا جنگل میں لکڑیاں
کاٹ رہے تھے۔ جاڑے کا زمانہ تھا۔ ٹھنڈی ہوائیں
چل رہی تھیں ملا کو سخت سردی محسوس ہوئی ہاتھ
پاؤں ناک کان سب ٹھنڈے ہو گئے۔ ملا کو جو اس
ٹھنڈک کا پتا چلا تو بیوی کی بات یاد آگئی۔ انہیں یقین
ہو چلا کہ موت نے انہیں آدبوچا ہے۔ اس خیال کے آتے ہی
انہوں نے لکڑی کاٹنا بند کر دی اور آپ ہی آپ بولے۔
"کہیں مُردے بھی کوئی کام کرتے ہیں، وہ تو
سیدھے لیٹ جاتے ہیں۔ نہ بولتے ہیں اور نہ کسی
قسم کی حرکت کرتے ہیں۔"
اس کے ساتھ ہی وہ چپ سادھ کر لمبے لیٹ گئے۔
اتفاق کی بات کہ جاڑے کا مارا بھیڑیوں کا ریوڑ ادھر سے
آنکلا۔ اس کو مدت سے کوئی شکار نہ ملا تھا۔ بھیڑیوں نے
ملا کو تو مُردا سمجھ کر چھوڑ دیا لیکن ان کے گدھے
پر حملہ کر دیا۔ تھوڑی دیر میں بھیڑیوں نے

گدھے کو ہضم کر لیا۔ ملا ڈر کے مارے چپکے پڑے
دیکھتے رہے۔ جب بھیڑیے چلے گئے تو بولے۔
"زندگی کا یہ فائدہ ہے۔ اگر میں زندہ ہوتا تو کیا
بھیڑیے میرے گدھے کو کھا سکتے تھے؟ سچ ہے
ایک چیز دوسرے پر منحصر ہے میری موت سے
بھیڑیوں نے ناجائز فائدہ اٹھایا۔"

مُرغ کا شوربا

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ملا کے کوئی دور کے
رشتے دار ملا سے ملنے آئے۔ انہوں نے یہ خیال
رکھا کہ اپنے ساتھ ایک مُرغ بھی لیتے آئے تاکہ
ملا کو پریشانی نہ ہو۔ ملا نصرالدین کو ان کا آنا ذرا
بھی نہ کھلا۔ خوب مزے میں مُرغ کو ذبح کیا اور
خوب عمدہ بھنا ہوا گوشت تیار کرایا پھر دونوں نے
مزے لے لے کر کھایا۔ ان کی کافی خاطر مدارات
کی۔ اور دوبارہ آنے کے لیے بھی کہا۔
اس ملاقات کو کچھ ہی روز گزرے ہوں گے
کہ کوئی صاحب ملا کے یہاں آئے اور ان سے
بولے کہ میں آپ کے فلاں رشتے دار کا قریبی

دوست ہوں جو آپ کے پاس مرغ لائے تھے۔ مُلّا
نے ان کو بلا کر بٹھایا۔ خیریت پوچھی اور وہ صاحب
بھی کھانا وغیرہ کھا کر رخصت ہو گئے۔ پھر کچھ
دن گزرے تو کوئی دوسرے صاحب مرغ والے
عزیز کے دوست بن کر آئے اور مُلّا کے گھر
مہمان ہوئے۔ یہ سلسلہ بڑھتا چلا گیا۔ مُلّا کا مکان
اچھی خاصی سرائے بن گیا۔ جس کو دیکھو منہ اٹھائے
چلا آ رہا ہے۔ مُلّا بے چارے اخلاق میں مارے
گئے۔

بالآخر ایک دن جو ایک صاحب نے دروازہ کھٹکھٹایا
تو مُلّا سخت مشتعل ہو گئے۔ دروازہ کھول کر نئے
مہمان سے ملے اور ان کا پتا نشان پوچھا۔ دستک
دینے والے شخص نے جواب دیا۔

"فلاں صاحب جو آپ کے یہاں مرغ لے آئے
تھے، میں ان کے دوست کے دوست کا دوست
ہوں۔"

مُلّا نے اپنے غصے کو چھپاتے ہوئے کہا۔

"آیئے تشریف لے آیئے"

تھوڑی دیر میں مُلّا نے ان کو کھانے کی میز پہ
بلایا اور بیوی کو آواز دی کہ شوربا بھیج دو شوربا گیا
تھا مگر گرم پانی تھا۔ جب مہمان نے شوربے کو چکھا
تو اس میں نہ نمک نہ مرچ۔ بس گرم پانی پیالے
میں رکھ دیا گیا تھا۔ وہ پوچھ بیٹھا۔

"مُلّا! یہ کون سی قسم کا شوربا ہے؟"

مُلّا نے برجستہ جواب دیا۔

"یہ مرغ کے شوربے کے شوربے کا شوربا
ہے"

ہاضمہ کا علاج

ایک زمانے میں مُلّا حکمت کرنے لگے تھے۔ ایک
دن ایک مریض آیا جس نے بدہضمی کی شکایت کی
اور کہا۔

"حکیم صاحب! چاہے جتنی ہلکی غذا کھاؤ ہمارا
معدہ ہضم ہی نہیں کرتا۔ کوئی ایسی دوا دیجیے
کہ کھانا آسانی سے ہضم ہونے لگے۔"

مُلّا نے مریض کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے
گا۔ ایک بات کا خیال رکھو، اگر کوئی چیز ہضم نہیں

اپنی پگڑی اتاری اور اس کے کنارے بندھی ہوئی
ایک گرہ کھولی، اس میں سے دو روپے نکالے اور
پھل والے کو دے دیے کہ پھل دے دو۔ پھل والا
دو روپے لے کر بڑا خوش ہوا اور پوری ٹوکری
ملاّ کے حوالے کر کے چلتا بنا۔ ملاّ اسی جگہ بیٹھ گئے
اور خوب شوق سے پھل کھانا شروع کر دیے۔ ایک
پھل کھایا تو زبان میں کچھ کچھ جلن سی ہوئی پھر
دوسرا پھل کھایا۔ تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے
ناک بہنے لگی، منھ خوب جلا۔ یہ سوں سوں کرتے
گئے اور اپنے خریدے ہوئے پھل کھاتے رہے۔

تھوڑی دیر میں ادھر سے کسی افغان کا گزر ہوا
ملاّ نے اس کو بڑے ادب سے سلام کیا اور بے
تکلف ہوتے ہوئے کہا۔

"میرے بھائی یہ کافر پھل تو شیطان کے تھوکے
ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔"

افغان نے جواب دیا۔

"ارے پاگل! تم سے کس نے کہہ دیا کہ یہ
پھل ہیں، یہ تو ہندوستان کی سرخ مرچیں ہیں۔
اب نہ کھانا ورنہ تمھاری جان کی خیر نہیں سورج غروب
ہونے سے پہلے پہلے تم اللہ کو پیارے ہو جاؤ گے"
ملاّ نے تو رقم خرچ کر کے یہ پھل خریدے تھے
وہ بھلا انھیں کیسے چھوڑ سکتے تھے۔ انھوں نے
طے کیا کہ جب تک تمام پھل نہ کھاؤں گا اپنی
جگہ سے نہ ہلوں گا۔

افغان نے جب یہ دیکھا کہ مسافر مرچیں
کھائے چلا جا رہا ہے تو پھر بولا۔

"ارے بے وقوف آدمی! اب تو باز آ جاؤ یہ مرچیں
سالن میں ڈالی جاتی ہیں یوں نہیں کھائی جاتیں
انھیں فوراً پھینک دو اور کچھ اور کھانے
کی فکر کرو"

ملاّ نصرالدین نے جھٹ جواب دیا۔

"اب میں پھل نہیں کھا رہا ہوں۔ میں تو اپنا روپیہ
کھا رہا ہوں۔"

روشنی کی ضرورت

ایک مرتبہ ملاّ چائے خانے میں بیٹھے شیخی بگھار
رہے تھے۔ گاؤں کے دوسرے لوگ بڑی عقیدت
سے ملاّ کی باتیں سن رہے تھے۔

دورانِ گفتگو میں مُلّا بولے۔
"میں اندھیرے میں بھی اتنا ہی صاف دیکھ لیتا ہوں جتنا دن کے اُجالے میں"
کسی نے پوچھ لیا۔
"مُلّا! پھر رات کو آپ چراغ لے کے کیوں چلتے ہیں؟"
مُلّا نے جواب دیا۔
"چراغ تو اس لیے لے کر چلتا ہوں کہ دوسرے لوگ مجھ سے نہ ٹکرا جائیں۔"

مُناسب مشورہ

ایک دن مُلّا کو مذاق سوجھا اور وہ سیدھے پیپ جون کی دُکان پر پہنچے جہاں ہر قسم کا سامان بکتا تھا۔ دُکان پر پہنچ کر انھوں نے دُکان دار سے پوچھا

"آپ کے پاس عمدہ قسم کی چھوٹی کیلیں ہوں گی ــ؟"
دُکان دار نے جواب دیا۔
"جی ہاں، میرے پاس کئی قسم کی چھوٹی نرم کیلیں ہیں آپ کو جو پسند ہوں دیکھ کر لے لیں"
مُلّا نے پہلی بات کا جواب دیے بغیر پھر پوچھا۔
"اچھا چمڑا بھی ہوگا۔ صاف اور نرم ہونا چاہیے"
دُکان دار نے کہا "ہاں چمڑا بھی ہے"
مُلّا نے پھر پوچھا۔
"اور جوتے کے فرمے ہیں؟"
دُکان دار نے پھر کہا "ہاں ہیں"
ابھی یہ جواب ملا بھی نہ تھا کہ مُلّا نے ایک اور سوال داغ دیا۔
"اور ہاں! چمڑا رنگنے کا بھی سامان ہے؟"
دُکان دار نے کہا "جی ہاں وہ بھی ہے!"
اب مُلّا بولے۔
"پھر خدا کے بندے تم یہ دُکان کیوں کھولے بیٹھے ہو جوتوں کا کارخانہ کیوں نہیں کر لیتے جس میں کمائی ہی کمائی ہے۔"

حفظِ ماتقدم

مُلّا نصرالدین کی اپنے گاؤں میں بہت عزت تھی

ہر شخص ان کا پاس لحاظ کرتا تھا۔ جہاں کہیں کوئی
تقریب ہوتی انھیں ضرور بلایا جاتا۔ یہ بھی کسی کی
دعوت کو ٹھکرانا بہت بڑا گناہ سمجھتے تھے بلکہ اکثر
ہوتا تھا کہ مقررہ وقت سے پہلے ہی پہنچ جاتے
تھے اگر ایک وقت کی دعوت ہو تو وہ کم از کم
دو وقت کا انتظام کروا لیتے تھے۔ اس کوشش
میں کبھی کبھی انھیں اپنے جوتوں کا خیال نہ رہتا
نتیجہ یہ ہوتا کہ واپسی میں ننگے پاؤں آنا پڑتا۔
جب کئی دفعہ اُن کے جوتے چوری ہوئے تو
ان کو عقل آگئی۔ انھوں نے طے کر لیا کہ اب
جوتے کہیں اتاریں گے نہیں بلکہ کوٹ کی اندر والی
جیب میں رکھ لیا کریں گے۔

اتفاقاً کچھ ہی روز بعد ان کو کہیں سے دعوت
نامہ ملا تو وہ پروگرام کے مطابق جوتے اندر
کی جیب میں رکھ کر میزبان کے گھر میں داخل
ہوئے۔ میزبان نے جو دیکھا کہ سینے کے پاس مُلّا کا
کوٹ کچھ اوپر اٹھا ہوا ہے تو تعجب سے پوچھا

"مُلّا صاحب! کیا جیب میں کوئی کتاب رکھی ہے
کون سی کتاب ہے؟"

مُلّا نے سوچا کہ یہ شاید میرے جوتے غائب
کرنے کی فکر میں ہے۔ تاڑ گیا ہے کہ جوتے جیب
رکھے ہیں۔ ان کو باہر نکلوانا چاہتا ہے۔ اسی
کے ساتھ ساتھ یہ بھی سوچا کہ ہو سکتا ہے وہ جوتے
نہ سمجھا ہو اور واقعی کتاب سمجھ رہا ہو اس لیے
عزّت اسی میں ہے کہ گول مول جواب دو جس
سے جھوٹ بھی نہ کھلے اور بات بھی بن جائے۔
چنانچہ انھوں نے میزبان کو جواب دیا۔

"آپ جو میرا کوٹ اٹھا ہوا دیکھ رہے ہیں وہ
بے شک کسی چیز کی وجہ سے ہے اگر آپ اس
چیز کو جاننے کے لیے بے چین ہیں تو لیجیے سنیے
اس کا نام ہے "حفظِ ماتقدم"

میزبان نے مزید دل چسپی لیتے ہوئے پوچھا۔
"بہت خوب! کس دکان سے یہ کتاب خریدی
ہے آپ نے؟"

مُلّا نے جواب دیا اور پیچھے سے ایک طرف کو ٹہل گئے
"بھئی سچ پوچھو تو میں نے ایک جوتے والے سے
خریدی ہے"

جہانگیر کا انصاف

ایک مرتبہ مُلّا کی لڑکی روتی پیٹتی اپنی سسرال سے آئی اور مُلّا کے سامنے آکر شکایت کرنے لگی۔

"آپ نے مجھے کس گھر میں جھونک دیا ہے۔ میں تو روز روز کے جھگڑوں سے تنگ آگئی ہوں۔ میرا شوہر بڑا ظالم ہے آئے دن مجھے مارتا ہے۔ آج بھی اس نے مارپیٹ کے گھر سے نکال دیا۔"

مُلّا نے جو بیٹی کی روداد سنی تو فوراً اپنی جگہ سے اٹھے اور دو تین ہاتھ زور زور سے اپنی بیٹی کے رسید کر دیے۔

جب مار چکے تو غصے میں لال پیلے ہوتے ہوئے بولے

"جا کے اپنے شوہر سے کہہ دے کہ ابھی میرا باپ زندہ ہے۔ گِن گِن کے بدلے لے گا۔ تو نے اگر میری بیٹی کو مارا تو میں نے بھی تیری بیوی کی مرمت کر دی ...... اور ہاں! یہ بھی کہہ دینا کہ اگر آئندہ گھر سے نکالا تو میں کبھی تیری بیوی کو گھر میں نہیں گھسنے دوں گا ـــــ!"

تقدیر کا مسئلہ

ایک مرتبہ مُلّا اپنے طالب علموں کو تقدیر کا مسئلہ سمجھا رہے تھے۔ انھوں نے کہا۔

"لوگوں نے اس مسئلہ کو اس قدر الجھا دیا ہے کہ اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ سمجھنے میں غلطی کر جاتے ہیں حالانکہ اس میں مشکل سی تو کوئی بات ہی نہیں ہے! دیکھو میں تمھیں سمجھاتا ہوں جو لوگ تقدیر تقدیر کیا کرتے ہیں وہ اس کا مطلب نہیں سمجھتے۔ دراصل تقدیر کہتے ہیں کسی فرضی بات کو آدمی کوئی بات فرض کرلے اور بعد میں وہ پیش آئے یا نہ آئے تو اسے تقدیر کہہ دیتے ہیں۔ مثلاً آپ یہ فرض کرلیں کہ آپ کی زندگی آرام سے گزرے گی پھر کوئی مصیبت آجائے تو آپ کہیں گے کہ تقدیر خراب ہے۔ اسی طرح اگر آپ یہ فرض کرلیں کہ مجھے کبھی خوشی نصیب نہ ہوگی مگر اتفاق سے آپ کی زندگی آرام سے گزرنے لگے تو آپ اُسے اپنی خوش قسمتی کہیں

.blogspot.com

گے۔

واقعہ یہ ہے کہ جب آپ فرض کرتے ہیں کہ فلاں بات سامنے آئے گی اور وہ کبھی ہوتی ہے کبھی نہیں ہوتی تو یہ تقدیر کا مسئلہ نہیں آپ کی سمجھ کی کمی کا مسئلہ ہے۔ اگر آپ میں ذرا بھی عقل ہوتی تو آپ کوئی غلط فرضی بات طے ہی نہ کرتے۔"

مُلّا اسی سلسلے میں بولتے رہے۔

"لوگوں نے یہ بھی فرض کر رکھا ہے کہ مستقبل کسی کو معلوم نہیں۔ حالانکہ یہ بھی غلط ہے۔ آپ آسان لفظوں میں یوں سمجھیے کہ جہاں کہیں آپ ٹھوکر کھاتے ہیں قسمت پر الزام دھرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ آپ ٹھوکر کھاتے ہی کیوں ہیں!"

قتل کا بدلہ قتل

کسی زمانے میں مُلّا قاضی کے عہدہ پر فائز تھے۔ ایک دن اُن کی عدالت میں ایک عورت نے شکایت پیش کی کہ فلاں آدمی نے زبردستی میرے بوسہ لے لیا۔

مُلّا نے سوچا کہ جس طرح قتل کا بدلہ قتل ہوتا ہے اسی طرز پر اس مقدمے کا بھی فیصلہ کیا جاسکتا ہے چنانچہ وہ عورت سے مخاطب ہوئے۔

"نیک دل خاتون! تمھارے ساتھ انصاف کیا جائے گا۔ میں ابھی مُلزم کو عدالت میں بلواتا ہوں تم اس سے اپنا بدلہ لے لو!"

یہ بھی ممکن ہے!

ایک دن مُلّا نصرالدین کسی خیال میں کھوئے ہوئے سڑک پر چلے جا رہے تھے۔ ایک مقام پر انھوں نے کچھ لڑکوں کو کھیلتے دیکھا۔ لڑکے کچھ شریر قسم کے تھے۔ انھوں نے مُلّا کو دیکھتے ہی پہلے تو ان پر آوازے کسے۔ جب مُلّا کچھ نہ بولے اور خاموشی سے اپنی راہ چلتے رہے تو انھوں نے زمین سے مٹی اٹھا اٹھا کر مارنا شروع کر دی۔ اب تو مُلّا بہت کھسیانے ہوئے لیکن لڑکوں سے بچنا مشکل تھا۔ اگر ڈانٹتے تو وہ اور زیادہ پریشان کرتے اس لیے انھوں نے ایک دوسری ترکیب سوچی۔ سب لڑکوں کو ہاتھ کے اشارے سے اپنے پاس بلایا۔ جب وہ ان کے چاروں طرف اکٹھا ہو گئے تو بولے۔

"بچو! تم نے ایک خبر سنی؟"
بچوں نے پوچھا "کون سی خبر؟"
مُلّا بولے۔
"وہ جو شہر کے امیر ہیں نا۔ انھوں نے آج عام دعوت کا اعلان کیا ہے۔ میں ابھی دیکھ کر آرہا ہوں، ان کے محل میں ایک سے ایک عمدہ کھانے پک رہے ہیں، قسم قسم کی مٹھائیاں اور طرح طرح کے پھل بھی منگائے گئے ہیں۔ آج جو بھی ان کے یہاں جائے گا ان کا مہمان خیال کیا جائے گا۔"
لڑکوں نے جو اچھے اچھے کھانوں کا ذکر سنا تو ان کے منھ میں پانی آنے لگا۔ انھوں نے مُلّا سے آگے بات ہی نہ کی اور سب امیر کے محل کی طرف بھاگنے لگے۔ مُلّا اپنی جگہ کھڑے لڑکوں کو دیکھتے رہے۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہوگئے تو مُلّا نے سوچا کہ کہیں لڑکوں کے کہنے پر امیر سچ مچ دعوت کا انتظام نہ کر دے۔ چنانچہ یہ خیال آتے ہی مُلّا نے آستینیں چڑھائیں پاجامہ اوپر کیا اور انگرکھے کے گھیر کو ہاتھ سے پکڑ کر بگٹٹ دوڑنے لگے تاکہ جلد از جلد لڑکوں کے غول میں خود بھی شامل ہوجائیں۔

شاپنگ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مُلّا نصرالدین پاجامہ خریدنے کے لیے بازار گئے۔ بازار میں سِلے سِلائے کپڑوں کی ایک بہت بڑی دکان تھی۔ مُلّا نے دکان میں پہنچ کر پاجامے نکلوائے۔ دکان دار نے کئی پاجامے ان کے سامنے ڈال دیے اور کہا کہ کوئی ایک پسند کر لیجیے۔ مُلّا کافی دیر تک اُن کو اُٹھا اُٹھا کر دیکھتے رہے۔ کبھی کسی کی سلائی ناپسند کرتے تو کسی کا کپڑا۔ خدا خدا کر کے ایک پاجامہ ان کی سمجھ میں آیا۔

اب داموں پر جھک جھک شروع ہوگئی۔ بہت دیر تک مول تول کرنے کے بعد قیمت بھی طے ہوگئی۔ اور مُلّا نے پاجامہ لے کر اپنے تھیلے میں ڈال لیا۔ اس کے بعد انھوں نے دکان دار سے انگرکھے دکھلانے کو کہا۔ دکان دار نے جلدی جلدی انگرکھے دکھلانے شروع کردیے۔ انھوں نے بڑی مشکل سے ایک انگرکھا بھی پسند کرلیا۔ اتفاق سے

اس کی قیمت وہی تھی۔ جو پاجامے کی تھی۔ مُلّا نے پاجامہ تھیلے سے نکال کر دُکان دار کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"بھئی میں یہ پاجامہ نہیں لوں گا۔ اس کے بدلے میں انگرکھا لیے لیتا ہوں۔ یہ مجھے زیادہ پسند ہے۔"

دُکان دار نے کہا۔

"کوئی بات نہیں جو مرضی آئے وہ لے لیجیے۔"

مُلّا نے انگرکھا جھولے میں ڈالا اور دُکان سے چلنے لگے۔ اب تو دُکان دار چونکا اور انہیں آواز دی۔

"مُلّا جی انگرکھے کی قیمت تو دیتے جائیے۔"

مُلّا نے جواب دیا۔

"کیسی قیمت! انگرکھا تو میں نے پاجامے کے بدلے میں لیا ہے۔"

دُکان دار نے کہا۔

"اچھا تو پاجامے کی قیمت ادا کر دیجیے۔"

مُلّا نے پھر جواب دیا۔

"واہ بھئی واہ! خوب بے وقوف بناتے ہو۔ جو چیز میں نے خریدی ہی نہیں اس کی قیمت کیوں دوں؟"

نوکری

ایک زمانے میں مُلّا بادشاہ کے بہت قریب ہوگئے تھے۔ اس کے دربار میں ان کو سب سے زیادہ عزت کی جگہ بٹھایا جاتا۔ مُلّا خود بھی بادشاہ کا بڑا ادب کرتے اور اس بات کا خیال رکھتے کہ کوئی ایسی گستاخی نہ ہونے پائے جس سے بادشاہ ناراض ہوجائے اور دربار سے نکلوا دے چنانچہ ہر وقت حق مصاحبی ادا کرتے رہے۔

ایک دن بادشاہ کو خوب زور کی بھوک لگی شاہی مطبخ میں اس دن بھنے ہوئے بینگن پکے تھے۔ وہی بینگن بادشاہ کے سامنے چن دیے گئے بادشاہ نے خوب مزے سے بینگن کھائے اور بڑی تعریف کی۔ کھاتے میں اس نے مُلّا سے بھی پوچھا۔

"کیوں مُلّا! میرے خیال میں بینگن سے اچھی کوئی ترکاری نہیں ہوتی۔"

مُلّا نے جواب دیا۔

"عالیجاہ! بے شک اس سے اچھی کوئی ترکاری

کم از کم میں نے تو دیکھی نہیں"

بادشاہ نے باورچی کو حکم دیا کہ بینگن روزانہ پکائے جائیں۔ اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ جب بادشاہ پانچ دن تک مسلسل بینگن کھا چکا اور چھٹے دن پھر اس کے سامنے بینگن کی پلیٹ رکھی گئی تو وہ غصے میں آگ بگولا ہوگیا اور زور سے چلایا۔

"لے جاؤ میرے سامنے سے اس کو۔ انھیں دیکھ کر قے آتی ہے"

مُلّا جو پاس ہی بیٹھے تھے فوراً بولے۔

"جی ہاں! عالی جاہ! آپ صحیح فرماتے ہیں یہ تو بدترین سبزی ہے"

بادشاہ نے مُلّا سے پوچھا۔

"مگر ایک ہفتہ پہلے تو تم کہہ رہے تھے کہ بینگن سب سے اچھی ترکاری ہے"

مُلّا نے جواب دیا۔

"جی ہاں میں نے کہا تھا لیکن حضور میں تو بادشاہ کا نوکر ہوں، ترکاری کا نوکر تو نہیں ہوں"

جیسی کرنی ویسی بھرنی

ایک دن کا ذکر ہے کہ مُلّا نصرالدین کسی گلی سے گزر رہے تھے۔ اس گلی میں اونچی اونچی عمارتیں تھیں۔ مُلّا بے چارے قسمت کے مارے نظریں نیچی کیے چلے جا رہے تھے۔ اچانک ایک مکان کی بیرونی منزل سے ایک آدمی مُلّا کے اوپر آ کر گر پڑا۔ مُلّا نحیف اور دُبلے پتلے تو تھے ہی۔ ان کی گردن مڑ گئی اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ آدمی کے ذرا سی خراش بھی نہ آئی۔ لوگ مُلّا کو اٹھا کر اسپتال لے گئے۔ کچھ دیر بعد جب مُلّا کو ہوش آیا تو انھوں نے اپنے چاروں طرف شاگردوں کو کھڑا پایا جو حادثے کی خبر سن کر مُلّا کو دیکھنے گئے تھے۔ مُلّا کے چہرے پر قدرے اطمینان دیکھ کر انھوں نے پوچھا۔

"آپ کے خیال میں اس حادثے کا کوئی سبق آموز پہلو بھی ہے جو ہمارے علم میں اضافہ کر سکے؟"

مُلّا نے کراہتے ہوئے جواب دیا۔

"بالکل ہے ــــ آج سے یہ جان لو کہ یہ خیال

قطعاً غلط ہے کہ ہر بات کی کچھ نہ کچھ وجہ ضرور ہوتی
ہے۔ دیکھو نا —— ایک دوسرا آدمی چھت سے گرا
چوٹ اسی کو لگنا چاہیے تھی لیکن گردن ٹوٹی
ہماری۔ اب اس کو کیا کہو گے۔ اس لیے میرا
کہنا مانو تو ایسی باتوں پر یقین کرنا چھوڑ دو کہ جو
آگ کھائے گا انگارے ہگے گا۔

سُریلی آواز

مُلّا کی آواز بہت بھدی اور کرخت تھی لیکن
وہ ہمیشہ یہی سمجھتے تھے کہ ان کی آواز سُریلی ہے
ایک دن حمام میں نہاتے وقت انھوں نے گنگنانا
شروع کیا۔ تو انھیں اپنی آواز بہت زیادہ سُریلی
معلوم ہوئی چنانچہ انھوں نے ارادہ کر لیا کہ وہ
دوسروں کو بھی اس سے محظوظ کریں گے۔
حمام سے باہر آکر وہ گھر سے باہر نکل گئے اور
چبوترے پر اذان دینی شروع کر دی۔ اہلِ محلہ
نے جو مُلّا کو اذان دیتے سنا تو پکار کر کہا۔
"ارے خدا کے بندے! یہ کون سا وقت
اذان کا ہے؟"

مُلّا نے جواب دیا۔
"مجھے اذان سے کیا غرض؟ میں تو آپ لوگوں
کو اپنی آواز سنا رہا ہوں"
کسی نے کہا۔
"آپ کی آواز تو ماشا اللہ اتنی اچھی ہے کہ
بچے سن لیں تو مارے ڈر کے گھر سے
باہر نہ نکلیں"
اس جواب پر مُلّا ذرا بھی شرمندہ نہ ہوئے اور
بے جھجک بولے۔
"اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو ہماری آواز
ناگوار گذری —— لیکن میرا دعویٰ ہے کہ اگر
آپ حمام میں میرا گانا سن لیں تو فرمائش کرکے
سنا کریں"

نعوذ باللہ

ایک امیر آدمی نے مُلّا سے کہا کہ عباسی خلفاء
میں یہ رسم تھی کہ وہ اپنے القاب میں عام طور
پر باللہ لگایا کرتے تھے مثلاً معتصم باللہ، واثق باللہ
مکتفی باللہ وغیرہ وغیرہ۔ اگر اس زمانے میں، میں

بھی امیر ہوتا تو آپ مجھے کیا لقب دیتے۔
مُلّا نے فوراً جواب دیا: "نعوذ باللہ!"

لاجواب بات

مُلّا نصرالدین کے گاؤں میں ایک چائے خانہ تھا جہاں وہ اکثر جا بیٹھتے تھے۔ ان کی وجہ سے گاؤں کے دوسرے بہتیرے لوگ وہاں اکٹھا ہو جاتے اور گھنٹوں بات چیت ہوا کرتی۔ دنیا کا ہر مسئلہ زیر بحث آتا۔ مُلّا کی رائے کو آخری مانا جاتا۔

ایک دن چائے خانے میں کسی دوسرے علاقے کا ایک فقیر آنکلا۔ مُلّا خوش گپیوں میں مصروف تھے فقیر نے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ اس نے آتے ہی سب کو مخاطب کرکے دعویٰ کیا کہ دنیا میں کوئی بات ایسی نہیں جس کا کوئی جواب نہ ہو۔ مُلّا نصرالدین نے فقیر کا یہ دعویٰ مسترد کر دیا اور جھٹ کھڑے ہو کر کہنے لگے۔

"آپ کا فرمانا بالکل بجا ہے کچھ عرصہ پہلے تک میرا بھی خیال تھا کہ کوئی بات لاجواب نہیں ہوتی لیکن جب سے ایک عالم سے ملاقات ہوئی اور اس نے مجھ سے ایک سوال کیا جس کا میں جواب نہ دے سکا۔ اس وقت سے میں نے طے کر لیا کہ بعض باتیں واقعی لاجواب ہوتی ہیں۔"

فقیر نے جواب دیا۔

"افسوس! میں اس عالم کے پاس نہ جا سکا ورنہ اس کی لاجواب بات سنتا۔ خیر اب تم بتادو کہ کون سی بات تھی جس کا جواب تم سے نہ بن پڑا"

مُلّا بولے۔

"اب تم نہیں مانتے ہو تو سن لو عالم نے مجھ سے کہا تھا۔ تم آدھی رات کو میرے مکان میں دیوار پھاند کر کیوں داخل ہوئے۔ اب تم ہی بتاؤ اس کا میں کیا جواب دیتا۔"

کھانے میں برکت

ایک دفعہ مُلّا اپنے دوستوں کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ راستے میں کھانے کا وقت ہو گیا۔ مُلّا نے کہا آؤ پہلے کھانا کھالیں پھر آگے چلیں۔ دوست تیار ہو گئے۔ سب نے اپنا اپنا کھانا کھولا۔ مُلّا نے دوستوں کا کھانا دیکھا تو انہیں بڑی مایوسی

ہوئی۔ وہ لوگ صرف ایک روٹی لے کر چلے تھے
ساتھ میں کوئی سبزی ترکاری بھی نہ تھی جبکہ مُلّا
اپنے ساتھ انڈے پراٹھے لے کر آئے تھے۔ دونوں
نے مُلّا سے کہا۔

"آؤ، ہم سب ایک ساتھ بیٹھ کر کھائیں۔ ساتھ
کھانا کھانے سے برکت ہوتی ہے"

مُلّا نے جواب دیا۔

"آپ لوگوں کا یہ فرمانا بالکل صحیح ہے کہ ساتھ
میں کھانا کھانے سے برکت ہوتی ہے لیکن اب
جبکہ میں آپ لوگوں کا کھانا دیکھ چکا ہوں مجھے
یقین ہے کہ آپ کے کھانے میں تو برکت ہوگی
ہماری کھانے میں کمی ہوجائے گی۔ اس لیے اگر آپ
لوگوں کو ہماری برکت کا خیال نہ ہو تو آپ الگ ہی کھائیں۔ اس
میں ہمارے کھانے میں بھی برکت ہوجائے گی اور آپ دونوں
کے کھانے میں بھی۔"

پاگل کون ؟

ایک دن مُلّا نے بازار سے چینی کے بہت
سے برتن خریدے۔ دکان دار نے ان کو ایک جگہ
باندھ کر پیکٹ ان کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ یہ خوشی
خوشی گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ ابھی تھوڑی دور
ہی گئے ہوں گے کہ پاؤں میں ٹھوکر لگی اور وہ
اوندھے منہ گر پڑے چینی کے برتنوں کا پیکٹ
دور جا گرا اور سب برتن چور چور ہوگئے۔

مُلّا جلدی سے اٹھے اور ٹوٹے ہوئے برتنوں کو
دیکھنے لگے۔ اتنی دیر میں وہاں اچھا خاصا مجمع اکٹھا
ہوگیا۔ مُلّا نے لوگوں کو جمع ہوتے دیکھا تو سخت
ناراض ہوئے اور گرج کر بولے۔

"احمقو! یہاں کس لیے جمع ہورہے ہو؟ کیا تم
نے پہلے کبھی کسی بے وقوف کو نہیں دیکھا؟"

انشاء اللہ

مُلّا نصرالدین اکثر کنگال رہتے تھے۔ جب کبھی
کوئی آمدنی ہوتی تو دو چار روز کے عیش ہوگئے
ورنہ وہی فاقہ مستی۔ انھیں کافی عرصے سے ایک
قمیص بنانے کا شوق تھا مگر کہیں سے اکٹھے پیسے
مل نہیں رہے تھے جو شوق پورا کر سکتے چنانچہ
انھوں نے روزانہ کے خرچ سے پیسے بچانا شروع
کردیے۔ کچھ دنوں کے بعد ان کے پاس اتنے

چنانچہ بیوی نے تھوڑا حلوا چھوڑ کر باقی سب
دوبارہ نکال دیا۔ ملّا نے اسے بھی کھا لیا۔ رات
کو جب بیوی سو گئی تو ملّا دبے پاؤں اٹھے
اور نعمت خانہ کھول کر حلوے کی پتیلی دیکھی تو
معلوم ہوا کہ اس میں تھوڑا سا رکھا ہے۔ یوں
نکال کر کھانے کی ہمت نہ ہوئی۔ واپس اپنے
بستر پر آ گئے اور بیوی کو جگا دیا۔
بیوی نے پوچھا "کیا بات ہے؟"
تو بولے "جلدی اٹھو۔ ایک اہم بات یاد آ گئی
ہے۔ وہ سن لو۔ ہو سکتا ہے۔ صبح بھول جاؤں
تمہارے مطلب کی ہے۔"
بیوی نے کہا "بتاؤ! کیا بات ہے؟"
اس پر ملّا بولے۔
"ایسے تھوڑی بتاؤں گا۔ پہلے مجھے باقی حلوا
لا کر دو۔ وہ کھاؤں گا تب بتاؤں گا۔"
بیوی نے اہم بات سننے کی خاطر باقی حلوا بھی
لا دیا اور ملّا جلدی جلدی اسے بھی چٹ کر گئے۔
اب بیوی نے پوچھا۔
"تو بتاؤ نا۔ وہ کون سی اہم بات تھی؟"

ملّا نے جواب دیا۔
"اہم بات یہ تھی کہ اگر دن میں حلوا پکے تو
جب تک سب حلوا کھا کے ختم نہ کر دو سونا نہیں
چاہیے"

طریقۂ تعلیم

ایک دن ملّا بازار سے گزر رہے تھے۔ ایک
دکان پر انہوں نے کچھ آدمیوں کو دسترخوان پر
بیٹھے دیکھا۔ وہ فوراً دکان میں داخل ہو گئے اور
آدمیوں کو یوں مخاطب کیا۔
"السلام علیکم! اے مردمانِ نعیم یعنی صاحبانِ
نعمت!"
آدمی یہ سمجھے کہ ملّا کہہ رہے ہیں "مردمانِ لئیم
یعنی کنجوس لوگ!"
وہ لوگ بڑے ناراض ہوئے ان میں سے ایک
بولا
"یہ کیا بدتمیزی ہے۔ ہم لوگ ہرگز کنجوس
نہیں ہیں"
ملّا نے فوراً جواب دیا۔

"معاف کیجیے گا میں نے آپ پر تہمت لگائی
جس کا مجھے بے حد افسوس ہے۔ آپ کا مطلب
یہ ہے کہ آپ بخیل نہیں ہیں کریم ہیں (یعنی فیاض)"
اس بات پر وہ سب خوش ہو گئے اور انھوں
نے مُلّا کو بھی کھانے میں شریک کر لیا۔ مُلّا نے
جلدی جلدی کھانا شروع کر دیا اور وہ آدمی بے
چارے دیکھتے رہ گئے مگر منہ سے کچھ نہ
کہے۔ مُلّا دو آدمیوں کا کھانا اکیلے کھا گئے اور
پانی وانی پی کر فارغ ہوئے تو بولے۔
"میں کھانے کی نیت سے ہرگز نہیں آیا تھا۔
میں تو آپ کو تعلیم دینا چاہتا تھا کہ کریم، بخیل
اور نعیم یہ الفاظ ہیں تو ایک جیسے لیکن ہر ایک
کے معنے میں کافی فرق ہے"
یہ کہہ کر انھوں نے سب کا شکریہ ادا کیا اور
دکان سے روانہ ہو گئے۔

ڈینگ

ایک مرتبہ گاؤں کے چائے خانے میں کچھ
فوجی آ کر بیٹھ گئے۔ فوجیوں کو دیکھ کر گاؤں کے
بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ اور ان کی باتیں دل
چسپی سے سننے لگے۔ فوجی لوگ لڑائیوں کی باتیں
اور جن جن علاقوں میں وہ گئے تھے وہاں کے
حالات بیان کر رہے تھے۔ گفتگو کے دوران میں ایک
سپاہی جو دیکھنے میں دُبلا پتلا نظر آرہا تھا بولا۔
"میرے پاس ایک دو دھاری تلوار تھی۔ میں
نے دشمن کے سپاہیوں پر اس سے حملہ کیا۔
ان میں بھگدڑ مچ گئی مگر جو ہماری تلوار کی زد
پر آگیا مولی گاجر کی طرح کٹتا چلا گیا۔ اس دن
کی فتح کا سہرا ہمارے سر رہا"
گاؤں والوں نے اس فوجی کی باتوں پر یقین
نہ کیا۔ سب ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائے۔
مُلّا نصرالدین بھی انھی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ
بھلا کب خاموش رہنے والے تھے۔ فوراً اپنی جگہ
کھڑے ہو گئے اور بولے۔
"بھائیو! میں تو اب بوڑھا ہو چکا ہوں لیکن جوانی
میں میں نے بھی کئی جنگوں میں حصّہ لیا ہے۔
بڑے بڑے معرکے دیکھے ہیں آپ کی دو دھاری
تلوار کا واقعہ سن کر مجھے بھی اپنا ایک قصّہ یاد

آگیا۔ ایک مرتبہ میں نے میدان جنگ میں پہنچ کر دشمن کے ایک سپاہی کی ٹانگ کاٹ ڈالی!

فوجیوں کے کپتان نے مُلّا کی بات سنی تو بولا۔

"بہت خوب جناب! لیکن کیا اچھا ہوتا اگر آپ اس کی گردن اتار دیتے!؟

مُلّا نے جواب دیا۔

"آپ کا فرمانا بجا ہے لیکن میرے لیے ایسا کرنا ممکن نہ تھا"

کپتان نے دریافت کیا "کیوں؟"

مُلّا بولے۔

"سر تو پہلے ہی کسی نے اتار لیا تھا۔

سجدۂ شکر

ایک دفعہ مُلّا اپنے گدھے پر سوار بازار سے گزر رہے تھے۔ اچانک زلزلے کا جھٹکا محسوس ہوا مُلّا فوراً اپنے گدھے سے اترے اور سجدے میں گر پڑے۔ کسی راہ گیر نے پوچھ لیا۔

"مُلّا اس میں سجدے کی کیا ضرورت تھی؟"

مُلّا نے جواب دیا۔ بھائی بات یہ ہے کہ میرا گھر نہایت خستہ حالت میں ہے مجھے یقین ہے کہ اس جھٹکے کو وہ سہار نہ سکا ہوگا اور یقیناً اس کی چھت گر گئی ہوگی۔ اگر خدا نخواستہ میں اس مکان میں ہوتا تو ہڈی پسلی کا پتا نہ چلتا۔ اب تم ہی بتاؤ کہ میری جان بچ گئی اور میں شکر کا سجدہ بھی نہ بجا لاؤں"

شیر کا شکار

ایک زمانے میں مُلّا بادشاہ کے خاص مصاحب تھے۔ بادشاہ کو مُلّا کے بغیر کسی کام میں مزہ ہی نہ آتا تھا۔ دربار میں بھی ان کو ساتھ رکھتا اور جب کہیں جاتا تو ہمراہ لے جاتا۔ ایک دفعہ بادشاہ نے شیر کے شکار کا پروگرام بنایا مُلّا کو بھی گھر سے بلوا بھیجا۔ جب مُلّا کو اس کی خبر ملی تو بہت گھبرائے۔ شکار کی باتیں ہی باتیں سنی تھیں کبھی جانے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ شیر کے شکار کے تصور سے ہی ان کے رونگٹے کھڑے ہوگئے لیکن بادشاہ کے حکم سے سرتابی کی مجال نہ تھی۔ چارو ناچار جانا ہی پڑا۔

جب شکار سے واپسی ہوئی اور اپنے گاؤں
پہنچے تو کسی نے پوچھ لیا۔
"کہو بھئی مُلّا! کیسا رہا شیر کا شکار؟"
مُلّا نے جواب دیا "نہایت شاندار!"
گاؤں والے کو بڑی دل چسپی پیدا ہوئی اس
نے پھر پوچھا۔
"اچھا! کتنے شیر مارے تم نے؟"
مُلّا نے جواب دیا "ایک بھی نہیں!"
اس نے کہا "کسی کو زخمی بھی کیا"
مُلّا نے جواب دیا "ایک بھی نہیں"
اس نے تعجب سے پوچھا "اچھا کسی کا پیچھا
بھی کیا"
مُلّا بولے "نہیں پیچھا بھی نہیں کیا"
اس نے مزید دل چسپی لیتے ہوئے پوچھا۔
"اچھا مُلّا! کوئی شیر نظر بھی آیا شکار کے
دوران؟"
"مُلّا نے جواب دیا "ایک بھی نہیں"
اس جواب پر گاؤں والا جھنجلا کر بولا۔
"جب ہر بات کا جواب نہیں ہے تو پھر کیسے
کہہ دیا شکار نہایت شاندار رہا"
مُلّا نے جواب دیا۔
"جب تم شیر کا شکار کر رہے ہو تو اس کی
تعریف بھی ہے کہ ہر بات کا جواب "نہیں" ہو
یقین نہ آئے تو ایک مرتبہ شیر کے شکار پر
چلے جاؤ"

دُعا کا طریقہ

ایک مرتبہ مُلّا دریا کے کنارے بیٹھ کر وضو کر رہے
تھے۔ وضو کے دوران پاؤں دھونے لگے تو اُن
کا جوتا کھسک کر دریا میں چلا گیا۔ پانی کا بہاؤ
تیز تھا۔ جوتا گرتے ہی آگے نکل گیا۔ مُلّا کی ہمت
نہ پڑی کہ آگے بڑھ کر اُٹھا لیں دوسرا پاؤں دھو
کر وہ کھڑے ہی ہوئے تھے کہ ان کی ریح خارج
ہوگئی۔
مُلّا کو بڑا صدمہ ہوا لیکن جوتا بہنے کا اس
سے زیادہ افسوس تھا۔ انھوں نے اپنے ہاتھ آسمان
کی طرف بلند کیے اور خدا سے دُعا مانگی۔
"خدایا! میں اس وقت تک دوبارہ وضو کرکے

نماز نہیں پڑھوں گا جب تک تو میرا جوتا واپس نہیں دلائے گا۔"

عالم پناہ دونوں

مُلّا نصرالدین شروع سے ہی اپنی بستی میں اہم مقام رکھتے تھے لیکن شاہی دربار تک ان کی رسائی نہ ہوئی تھی۔ البتہ جب کوئی چھوٹا بڑا امیر گاؤں کے دورہ پر آتا تو اس کی ملاقات مُلّا سے ضرور کروائی جاتی۔ پہلی بار جب بادشاہ کے دورہ کی خبر ملی تو مُلّا کو بڑی تشویش ہوئی کہ بادشاہ سے کیا بات کریں گے اور کس طرح ملیں گے۔ لیکن بادشاہ کی آمد سے پہلے ایک ہرکارہ آیا جس نے مُلّا کو بتا دیا کہ بادشاہ تم سے تین باتیں پوچھیں گے۔ تم ان کے جواب پہلے سے ذہن میں رکھو اور پوچھنے پر فرفر جواب دے دینا۔

مُلّا نے پوچھا "کون سی تین باتیں؟"

ہرکارہ نے جواب دیا: "بادشاہ پہلا سوال یہ کریں گے کہ تم اس بستی میں کتنے عرصے سے رہتے ہو؟

دوسرا سوال ہوگا کہ مُلّا بننے کے لیے تم نے کتنے سال تعلیم حاصل کی؟ تیسرا سوال وہ یہ پوچھیں گے کہ کیا تم لوگوں پر لگے ہوئے ٹیکس اور مذہبی امور کے بارے میں مطمئن ہو؟ ان تینوں کا جواب دے دینا۔"

مُلّا نے تینوں سوالوں کے جواب خوب اچھی طرح رٹ لیے۔ جب بادشاہ سے ملاقات ہوئی تو اس نے یہی تینوں سوال پوچھے لیکن مُلّا کی بدقسمتی کہ اس نے ترتیب بدل دی چنانچہ بادشاہ کے سوال اور مُلّا کے جواب کچھ اس طرح ہوئے۔

بادشاہ: آپ نے مُلّا بننے کے لیے کتنا عرصہ تعلیم حاصل کی

مُلّا: کوئی پینتیس سال۔

بادشاہ: آپ کی عمر کتنی ہے۔

مُلّا: بارہ سال

بادشاہ: یہ ناممکن ہے کہ بارہ سال عمر ہے

اور تعلیم حاصل کی پینتیس سال۔ ہم میں سے
ایک نہ ایک پاگل ضرور ہے"
"ملّا: عالم پناہ دونوں!
بادشاہ: (سخت برہمی کے عالم میں)! تم مجھے
بھی اپنی طرح پاگل کہہ رہے ہو۔ گستاخ کہیں کا!
ملّا: بے شک ہم دونوں ہی پاگل ہیں عالم
پناہ صرف حالات الگ الگ ہیں!"

اپنا اپنا کام

ایک دن ملّا بازار میں ایک چبوترے پر بیٹھے
شطرنج کھیل رہے تھے۔ اچانک ایک آدمی دوڑتا
ہوا ان کے پاس آیا اور کہا۔
"آپ بھی عجیب آدمی ہیں۔ آپ کا گھر جل
رہا ہے۔ شعلے آسمان سے باتیں کر رہے ہیں اور
آپ ہیں کہ شطرنج میں مگن پڑے ہیں۔ جلدی
جائیے ورنہ سارا گھر راکھ کا ڈھیر ہوجائے گا۔"
ملّا نے بڑے اطمینان سے جواب دیا
"جائیے اپنا کام کیجیے۔ میرا اور میری بیوی
کا معاہدہ ہوچکا ہے کہ گھر کے تمام کام
انجام دوں گی اور باہر کے کام میں کروں گا۔ گھر
کی آگ بجھانا اس کا کام ہے وہ خود کرے گی
آپ بے فکر رہیں"

بھول

ایک زمانے میں ملّا کی حالت بہت خراب
تھی۔ انھوں نے سوچا کہ چلو کسی رئیس آدمی
سے کچھ روپے قرض لے آئیں۔ یہ سوچ کر
وہ فوراً گاؤں کے سب سے مالدار آدمی کی
کوٹھی پہنچے دروازے پر چوکیدار بیٹھا تھا اس
سے کہا: "جاؤ اپنے مالک سے کہہ دو کہ ملّا
آیا ہے اور مجبوری کے تحت کچھ روپے قرض
لینا چاہتا ہے۔ اگر دے دو تو بڑی مہربانی ہوگی۔
میں جلد ہی واپس کرنے کی کوشش کروں گا۔"
چوکیدار کوٹھی کے اندر گیا اور تھوڑی دیر بعد منہ لٹکائے
ہوئے واپس آیا اور آکر ملّا سے کہا۔
"مجھے افسوس ہے کہ مالک گھر پر نہیں ہے۔
آپ کسی اور وقت تشریف لائیں"
ملّا نے جواب دیا۔
"بہتر ہے! میں واپس جا رہا ہوں۔ گو مجھے قرض

نہیں مل سکا تاہم میرا ایک مشورہ اس کو ضرور
پہنچا دینا کہ جب کبھی وہ باہر جائے تو
تو اپنا سر کھڑکی پر نہ چھوڑ جایا کرے۔ ہو سکتا
ہے کوئی چور اسے اچکا لے اڑے تو پھر نہ یہ
کوٹھی رہے گی اور نہ چوکیدار۔

سزا کا وقت

ایک دن ملا نے اپنی بیٹی سے گلاس میں
پانی لانے کو کہا اور ساتھ ہی اس کے دو
تھپیڑ بھی رسید کر دیے۔
ملا کی بیوی نے پوچھا۔
"لڑکی کو مارنے کی کیا ضرورت تھی؟"
ملا نے جواب دیا۔
"میں نے اس لیے سزا دی ہے کہ وہ کہیں
گلاس توڑ نہ دے"
بیوی نے ناراض ہوتے ہوئے کہا۔
"جب توڑ دیتی تبھی سزا دیتے پہلے سے
کیوں مارا؟"

ملا بولے،
"بعد میں مارنے سے کیا فائدہ ہوتا۔ اگر جان
سے بھی مار دیتے تو گلاس تو دوسرا ملتا نہیں!"

قول کے پکے

ایک مرتبہ ملا سے کسی نے پوچھا "آپ کی عمر
کیا ہے؟"
ملا نے جواب دیا۔ "چالیس سال"
اس نے تعجب ظاہر کرتے ہوئے پوچھا "یہی
عمر تو آپ نے دو سال پہلے بھی بتائی تھی؟"
ملا نے جواب دیا۔
"جی ہاں! میں قول کا پکا ہوں۔ جو بات آج
کہوں گا دس سال بعد بھی اس سے نہ ہٹوں
گا۔"

ذرا سی کسر

ایک دن مُلّا ایک شاگرد کے ساتھ ٹہل رہے
تھے کہ اچانک ان کی نظر ایک خوب صورت جھیل
پر پڑی۔ جھیل میں کنول کھلے ہوئے تھے اور
ہوا کے ہلکے جھونکوں سے جھیل کی سطح پر لہریں
بنتی جارہی تھیں۔ کنارے ہرے بھرے
درخت لگے تھے۔ مُلّا نے زندگی میں پہلی بار جھیل
دیکھی تھی۔ پھر جھیل میں اتنا پیارا منظر بھی دیکھا
بہت خوش ہوئے اور بولے۔
"کتنا دلفریب منظر ہے بس ذرا سی کسر ہے"
شاگرد نے پوچھا۔
"مجھے تو کوئی کمی نظر نہیں آتی آپ کے خیال
میں کیا کمی ہے؟"
مُلّا نے جواب دیا۔ "کمی نہیں زیادتی ہے"
شاگرد نے پھر پوچھا "کس چیز کی زیادتی مُلّا جی!"
مُلّا نے جواب دیا۔
"یہی کہ اگر جھیل میں پانی نہ ڈالتے تو منظر اور زیادہ
خوب صورت ہوتا۔ پانی ڈال کر اس کے حسن کو خراب کردیا۔"

آغا خان
امام رازی
ابنِ عربی
امام ابنِ تیمیہ
البیرونی
امیر تیمور
امام غزالی
اکبر اعظم
اکبر اعظم کے نورتن
اورنگ زیب عالمگیر
امیر خسرو
بُلھے شاہ
بابا فرید گنج شکرؒ
جہانگیر
چاند بی بی
حضرت امام حسینؓ

حضرت عثمانؓ
حضرت عمر فاروقؓ
حضرت علاؤالدین صابر
حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ
حضرت عائشہؓ
حضرت عیسیٰؑ
حضرت موسیٰؑ
حضرت علیؓ
حضرت ابوبکر صدیقؓ
حیدر علی
خواجہ معین الدین چشتیؒ
خالد بن ولید
داتا گنج بخشؒ
رضیہ سلطانہ
زرتشت
سلیمان اعظم

سلطان محمد فاتح
سرسید احمد خان
سید احمد شہید
سید امیر علی
سلطان ٹیپو
سراج الدولہ
شاہ ولی اللہ
شیر شاہ سوری
شاہ عبداللطیف بھٹائی
شاہ جہاں
صدر ایوب
صلاح الدین ایوبی
طارق بن زیاد
ظہیر الدین بابر
عمر بن عبدالعزیز
علاؤالدین خلجی

غوثِ اعظمؒ
کمال اتاترک
قائداعظم محمد علی جناح
مولانا احمد رضا خان
مجدد الف ثانیؒ
مولانا روم
محترمہ فاطمہ جناح
مہاتما بدھ
محمد بن قاسم
محمود غزنوی
نور جہاں
وقارالملک
وارث شاہ
ہارون رشید
یاجوج ماجوج